Al-Marjān Research Journal
Al-Marjān Research Center, Lahore, Pakistan
HJRS
Open Access
Al-Marjān Research Journal
ISSN(E): 3006-0370
ISSN(P): 3006-0362
al-marjan.com.pk

A Critical Study of Dr. Obaidullah Fahd Falahi's Views on Classical Islamic Political Thought

اِسلام کے کلاسیکی سیاسی افکار پر ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی کی آراء کا تنقیدی مطالعہ

Authors Details

1. **Ghulam Muhammad Abdul Rauf** (Corresponding Author)
   PhD Scholar, Department of Fiqh and Shariah, The Islamia University of Bahawalpur, Bahawalpur, Pakistan.
   Email: **ghulammuhammad8262@gmail.com**
2. **Dr. Muhammad Asif**
   Assistant Professor, Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur, Rahim Yar Khan Campus, Pakistan.

Citation

Rauf, Ghulam Muhammad Abdul & Dr. Muhammad Asif. A Critical Study of Dr. Obaidullah Fahd Falahi's Views on Classical Islamic Political Thought." *Al-Marjān Research Journal*, 3,no.2, April-June (2025): 914−937.

Submission Timeline

Received: April 09, 2025
Revised: April 22, 2025
Accepted: May 13, 2025
Published Online: Jun 05, 2025

Publication, Copyright & Licensing

Article QR

Al-Marjān Research Center, Lahore, Pakistan.

Rights Reserved © 2023.
This article is open access and is distributed under the terms of Creative Commons Attribution 4.0 International License

INDEX COPERNICUS INTERNATIONAL
ISSN INTERNATIONAL STANDARD SERIAL NUMBER INTERNATIONAL CENTRE
HJRS HEC Journal Recognition System

A Critical Study of Dr. Obaidullah Fahd Falahi's Views on Classical Islamic Political Thought

اِسلام کے کلاسیکی سیاسی افکار پر ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی کی آراء کا تنقیدی مطالعہ

☆غلام محمد عبدالرؤف ☆ ڈاکٹر محمد آصف

Abstract

This study explores the evolution of classical Islamic political thought and critically examines Dr. Obaidullah Fahd Falahi's interpretations and critiques of earlier Muslim political theorists, particularly Al-Mawardi. The research traces the intellectual trajectory of Islamic political philosophy from the Prophet's era marked by principles of consultation, justice, and pluralism to the classical period, where juristic, theological, and philosophical traditions converged to form a coherent framework of governance. Dr. Falahi contends that despite the intellectual depth of the classical period, scholars such as Al-Mawardi, in Al-Ahkam al-Sultaniyyah, wrote under the influence of prevailing political authority and failed to construct a comprehensive and participatory political model. He emphasizes three main points: first, that Al-Mawardi's work legitimized existing rulers; second, that the process of caliphal selection remained vague; and third, that excessive focus on the ruler's personal virtues overshadowed the institutional and communal dimensions of Islamic governance particularly regarding the political participation of non-Muslim citizens (dhimmis). Through a reasoned, evidence-based historical analysis, this article challenges Falahi's assertions and argues that Al-Mawardi's writings must be read within their socio-political and historical context. His concern for ethical governance, justice, and administrative accountability represented an effort to safeguard Islamic political ideals amid dynastic transitions rather than to appease rulers. Moreover, the study suggests that many such critiques often echoed by some modern Muslim thinker's stem from orientalist interpretations of Islamic history, adopted without sufficient critical evaluation. By recontextualizing Falahi's critique within the broader discourse on Islamic political heritage, this paper demonstrates how classical scholarship continues to inform contemporary debates on leadership, legitimacy, and moral authority in Muslim political thought.

Keywords: Al-Mawardi's Islamic Political Thought and Ethical Caliphal Governance.

تعارفِ موضوع

اسلامی سیاسی فکر کا سرچشمہ وحیِ الٰہی ہے۔ ۶۱۰ء میں غارِ حرا سے شروع ہونے والا سفر حجۃ الوداع پر آیتِ اکمالِ دین سے مکمل ہوا: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ...[1]﴾۔ یہ اعلان ثابت کرتا ہے کہ اسلام روحانی نہیں، بلکہ سیاسی، معاشی، معاشرتی اور تہذیبی پہلوؤں کا جامع نظام ہے۔ حضرت آدمؑ سے خاتم النبیین ﷺ تک کا تسلسلِ وحی مدینہ میں منظم معاشرت اور سیاسی نظام کی صورت میں ظاہر ہوا۔ خلافتِ راشدہ نے اسے عملی قالب دیا۔ بعد کے ادوار میں خلفاء، علماء اور فلاسفہ نے ارتقا، حرکیت اور تنظیم کے ساتھ اسے جلا بخشی۔ اسلامی ریاست کی وسعت نے متنوع

☆ پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ فقہ و شریعہ، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور، بہاولپور، پاکستان۔
☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور، رحیم یار خان کیمپس، پاکستان۔

[1]- Al-Mā'ida, 5:3

روایات کو وحدتِ ماخذ میں پرو کر ہمہ گیر ثقافت تشکیل دی۔ حدیثِ نبوی ﷺ: «الْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْحَكِيمِ...[2]» اس فکری پس منظر کی رہنمائی کرتی ہے جس میں مفسرین، محدثین اور فقہانے دین کی آفاقیت اجاگر کی۔

کلاسیکی آثار میں متوازن سیاسی فکر نمایاں تھی—نہ ملوکانہ جبر، نہ جدید جمہوریت کی بے مہاری۔ ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی اور ڈاکٹر عبد الحمید ابو سلیمان کلاسیکی عہد میں فکری بحران تسلیم کرتے ہیں۔ فلاحی کی فکر مستشرقین سے متاثر ہے۔ لئو روز نتھال کے مطابق 'آئینہ برائے بادشاہان' ایرانی ورثے کا اثر ہے۔ طہ جابر علوانی کلاسیکی ورثے میں منظم سیاسی فکر کی عدم موجودگی کا دعویٰ کرتے ہیں۔

عبد الحمید الکاتب (المتوفی 132ھ/750ء)

فاضل مصنف کی علم سیاسیات سے متعلق دو کتابیں ہیں۔ ان میں سے پہلی "رسالة في نصيحة ولي العهد" جس کو عبد الرزاق الحصان نے اپنی کتاب "نظرة عابرة في شمالي العراق" (بغداد، 1940ء) میں شائع کیا۔ اسی طرح دوسری کتاب "نصيحة الكتاب وما يلزم أن يكونوا عليه من الأخلاق والآداب" قابل قدر تالیف ہے۔([3])

عبد اللہ ابن المقفع (106-142ھ/723-759ء)

ایرانی الاصل جلیل القدر نثر نگار، مترجم اور عربی ادب کے امام انشاپرداز تھے۔ انہوں نے فارسی و پہلوی متون کو عربی میں منتقل کر کے اسلامی فکری ذخیرے کو مالامال کیا۔ ان کی مشہور تصانیف میں 'کلیله و دمنه'، 'سیر الملوک' (خدای نامہ کا ترجمہ)، 'الأدب الصغير'، 'الأدب الكبير' اور 'رسالة الصحابة' شامل ہیں،([4]) جو بالخصوص سیاسی نصائح اور آدابِ حکمرانی کے باب میں غیر معمولی اہمیت رکھتی ہیں۔

قاضی ابو یوسف (۱۱۳ھ ۱۹۲ھ / ۷۳۱ یا ۷۹۸-۷۳۲ء)

قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری (113-182ھ/731-798ء) امام ابو حنیفہ کے جلیل القدر شاگرد اور عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے دور میں قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز ہوئے۔ وہ نہ صرف عدالتی و مالیاتی امور میں خلیفہ کے مشیر تھے بلکہ سلطنت کے قاضیوں کے تقرر میں بھی ان کی رائے لی جاتی تھی۔ ان کی شہرہ آفاق تصنیف 'کتاب الخراج مالیات' عدل و انصاف اور حکمرانی کے اصولوں پر ایک اہم ماخذ ہے،([5]) جو ہارون الرشید کی فرمائش پر مرتب کی گئی اور اسلامی سیاسی و انتظامی فکر کے ابتدائی نمونوں میں شمار ہوتی ہے۔

یحییٰ بن آدم القرشی (م 203ھ/817ء)

کوفہ کے ممتاز محدث و فقیہ تھے۔ ان کے شیوخ میں سفیان الثوری اور عبد اللہ بن مبارک شامل ہیں جبکہ ان کے تلامذہ میں امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نمایاں ہیں۔ ان کی مشہور تصنیف 'کتاب الخراج' ہے جس میں خراج، عشر، زکوٰۃ اور ارضی و مالیاتی پالیسیوں پر احادیث کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب اسلامی مالیاتی تاریخ میں بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

---

[2]- Rosenthal, Erwin I. J. *Political Thought in Medieval Islam: An Introductory Outline* (Cambridge: Cambridge University Press, 1962), 1

[3]- Ārif, Naṣr Muḥammad. *Fī Maṣādir al-Turāth al-Siyāsī al-Islāmī: Dirāsa fī Ishkāliyat al-Ta'mīm qabl al-Istiqrā' wa al-Ta'ṣīl* (Herndon, VA: Al-Ma'had al-'Ālamī lil-Fikr al-Islāmī, 1994), 106 .

[4]- Ārif, *Fī Maṣādir al-Turāth al-Siyāsī al-Islāmī*, 107 .

[5]- Ibid., 108 .

ابن ابی الربیع (م۲۷۲ھ / ۸۴۲ء)

احمد بن محمد ابن ابو الربیع عباسی دور کے فقیہ اور سیاسی مفکر تھے جنہوں نے خلیفہ معتصم باللہ کے حکم پر 'سلوك المالك في تدبير الممالك' تصنیف کی۔(6) اس کتاب میں ریاست، حکومت، اور سیاسی و اخلاقی اصولوں پر فلسفیانہ اور عملی مباحث پیش کیے گئے ہیں۔ ابن ابی الربیع نے حاکم کی مطلق العنان طاقت اور ریاستی انتظام کے نظام کو اجاگر کیا اور انسانی معاشرت میں تعاون و قانونی قواعد کی ضرورت پر زور دیا۔ تصنیف چار ابواب میں تقسیم ہے، جن میں وجود، اخلاق، سیاسی کردار، اور حکومت کے اصول و تنظیمی عناصر پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ کتاب اسلامی سیاسی فکر میں حکمرانی اور ریاستی ڈھانچے کے اولین منظم مباحث میں شمار ہوتی ہے۔

عمرو الجاحظ (150-255ھ / 767-869ء)

الجاحظ بصرہ کے مشہور ادیب، مفکر اور معتزلی متکلم تھے جنہوں نے نثر نگاری اور انشاپردازی کے ساتھ سیاسی و مذہبی مباحث میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ ان کی مشہور تصانیف میں 'البيان والتبيين'، 'البخلاء'، 'الحيوان'، ' التاج في أخلاق الملوك'، ' العثمانية'، 'استحقاق الإمامة' شامل ہیں۔(7) خاص طور پر التاج میں حکمران اور رعایا کے تعلقات اور سیاست کے اخلاقی پہلو باریکی سے پیش کیے گئے ہیں، جو اسلامی سیاسی اور ادبی فکر کا اہم متن ہے۔

ابن قتیبہ الدینوری (213–276ھ / 828–889ء)

ابن قتیبہ کوفی النسل عرب مصنف، قاضی اور ادیب تھے جو بعد میں بغداد میں مقیم ہوئے۔ وہ بغداد کے انتخابی دبستانِ نحو کے نمائندہ سمجھے جاتے ہیں۔ ان کی اہم تصانیف میں 'ادب الكاتب'، 'معانی الشعر'، ' عيون الاخبار' (دس جلدوں میں)، اور 'تاويل مختلف الحديث' شامل ہیں۔ ان کی کتاب 'الامامة والسياسة اسلامی' سیاسی فکر میں معتبر شمار ہوتی ہے اور حکمرانی و انتظامی اصول پر روشنی ڈالتی ہے۔

ابن ابی طاہر طیفور، ابو الفضل احمد (204-280ھ / 819-893ء)

خراسانی نژاد عرب ادیب و مورخ تھے جو ابتدا میں مدرس اور اتالیق رہے اور بعد میں کاتب و نساخ بن گئے۔ ان کی تصنیفات میں 'سرقات الشعراء' (مفقود) اور 'تاريخ بغداد' (جس کی صرف چھٹی جلد محفوظ ہے) شامل ہیں، جو عباسی عہدِ مامون تک کی تاریخ اور سیاسی و اخلاقی نصائح پر مشتمل ہے۔ ان کی ہدایات میں عدل، قانون کے احترام، رعایا کے ساتھ شفقت اور علما سے مشاورت کو اقتدار کے بنیادی اصول قرار دیا گیا ہے۔

قدامہ بن جعفر (م320ھ / 932ء کے بعد)

عباسی دور کے ادیب، انشاپرداز اور مصنف تھے جو اصلاً عیسائی تھے مگر المکتفی باللہ کے زمانے میں مسلمان ہو کر دربارِ خلافت سے وابستہ ہوئے۔ ان کی ادبی تصانیف میں 'نقد الشعر' اور 'نقد النثر' نمایاں ہیں،(8) جب کہ ان کی سیاسی و مالیاتی فکر کا سب سے اہم ماخذ کتاب 'الخراج ہے'، جس میں فوج، بیت المال، سکہ سازی، پولیس، ڈاک اور ریاستی اداروں کے انتظام پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

6- Ibid., 106 .
7- Ibid., 106 .
8- Ibid., 122 .

ابو الحسن الأشعری (260ھ/873-324ھ/935)

اہل سنت کے عظیم متکلم اور علمِ کلام کے بانی تھے جنہوں نے معتزلہ اور دیگر اسلامی و غیر اسلامی فرقوں کے افکار کی سخت تردید کی۔ ان کی نمایاں تصانیف میں 'اللمع' (جس میں امامت اور اہل سنت کے نظریہ کی وکالت کی گئی)، 'مقالات الإسلاميين' (جس میں مختلف فرقوں کے عقائد درج ہیں) اور 'الإبانة عن أصول الديانة' شامل ہیں۔[9] الأشعری نے وہ کلامی بنیاد فراہم کی جسے بعد میں اہل سنت کی اکثریت نے قبول کیا۔

ابو منصور ماتریدی (م333ھ/944ء)

حنفی مکتب فکر کے عظیم متکلم اور امام اہل السنہ والجماعہ کہلائے۔ آپ کی نمایاں تصانیف میں کتاب 'التوحید'، 'تأويلات القرآن' اور علم کلام و فقہ پر متعدد رسائل شامل ہیں۔ ماتریدی نے اہل سنت کے عقائد کو منظم کیا اور خاص طور پر امامت و الٰہیات کے مسائل میں اشعری مکتب سے نمایاں اختلاف رکھتے ہوئے حنفی دبستان کو فکری بنیاد فراہم کی۔

احمد بن یوسف بن ابراہیم البغدادی المصری المعروف ابن الدایہ (م340ھ/952ء)

عہدِ طولونیہ کے نامور ادیب، انشاء پرداز اور مؤرخ تھے جو طب، منطق اور فلکیات سے بھی واقف تھے۔ وزارت کے منصب پر بھی فائز رہے اور کئی اہم کتابیں تصنیف کیں۔ ان کی مشہور تصانیف میں 'المكافاة'، 'سيرة احمد بن طولون'، 'أخبار الأطباء' اور 'مختصر المنطق' شامل ہیں۔ ان کی سب سے نمایاں کتاب 'سياسة الأمراء وولادة الجنود' ہے، جس میں افلاطون کی 'السياسة' سے اخذ کردہ سیاسی حکمت کو اسلامی معاشرتی تناظر میں پیش کیا گیا اور بادشاہ، وزیر اور عام شہری کے فرائض و حقوق کو مکالماتی انداز میں واضح کیا گیا۔

قاضی النعمان التمیمی الاسماعیلی (م363ھ/974ء)

فاطمی خلافت کے نامور فقیہ اور اسماعیلی عقائد کے سب سے بڑے مدوّن تھے۔ انہوں نے ابتدائی فاطمی خلفاء کی خدمت کی اور بالخصوص خلیفہ المعز کے دور میں علمی و فقہی مقام کے عروج کو پہنچے۔ ان کی 44 تصانیف میں سب سے اہم 'دعائم الإسلام' ہے جو فاطمی دور میں ضابطۂ قوانین کی حیثیت اختیار کر گئی اور نظریۂ امامت پر شیعی نکتہ نظر کی سب سے مستند کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے تاریخ، فلسفہ اور فقہ پر بھی گراں قدر تصانیف چھوڑیں۔

ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین المعروف بہ الشیخ الصدوق (305ھ/917ء-381ھ/991ء)

ان کا شمار شیعہ کے اولین اور معتبر محدثین میں ہوتا ہے۔ خراسان اور بغداد میں علمی خدمات انجام دیتے رہے اور رے میں وفات پائی۔ ان کی سب سے مشہور تصنیف 'من لا يحضره الفقيه' ہے جو شیعہ حدیث کی چار بنیادی کتب میں شامل ہے۔ دیگر اہم کتب میں 'معاني الأخبار'، 'إكمال الدين وإتمام النعمة'، 'الخصال'، 'المقنع'، 'الهداية' اور 'رسالة الاعتقادات' شامل ہیں۔ بالخصوص 'رسالة الاعتقادات شيعه عقائد' نظریۂ امامت اور عصمت آئمہ کی وضاحت کے اعتبار سے بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

ابو نصر الفارابی (260ھ/874ء-339ھ/950ء)

جنہیں معلمِ ثانی کہا جاتا ہے، اسلامی فلسفہ کے اولین اور سب سے مؤثر فلاسفہ میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ منطق، فلسفہ، سیاست، موسیقی اور طب کے ماہر تھے اور الکندی کے بعد اسلامی دنیا میں فلسفے کو ایک منظم علم کی حیثیت دینے والے اولین مفکر سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے دین اور فلسفے کے تعلق پر

[9]- Ibid., 123 .

بحث کی اور سیاسیات کے موضوع پر کئی اہم کتابیں تصنیف کیں۔ ان کی نمایاں تصانیف میں 'آراء اہل المدینة الفاضلة'، 'السیاسة المدنیة'، 'تحصیل السعادة' اور 'السیاسة' شامل ہیں۔ ان کتابوں میں انہوں نے مثالی ریاست، فلسفی حاکم، انسانی معاشرت کی اقسام، اخلاقی و نظری فضائل اور عدل و مشاورت جیسے اصولوں پر گہرے مباحث پیش کیے۔ الفارابی کو مسلم سیاسی فکر میں شہر فاضلہ اور فلسفی حکمران کے نظریے کے باعث خاص مقام حاصل ہے۔

قاضی ابو بکر الباقلانی (338ھ/950ء-403ھ/1013ء)

شافعی المسلک عظیم متکلم اور امامِ علمِ کلام تھے جنہیں عقل و استدلال کے ذریعے عقائد کے اثبات کا امام مانا جاتا ہے۔ قاضی عیاض نے انہیں سیف السنۃ اور لسان الامۃ کے القاب دیے۔ انہوں نے دلائل عقلیہ کو ایمانیات کی بنیاد بنایا اور اشعری مکتبِ فکر کو کمال تک پہنچایا۔ ان کی مشہور تصانیف میں 'إعجاز القرآن' شامل ہے جس میں انہوں نے قرآن کے اسلوب اور ادبی بلاغت کو اعجاز کا بنیادی پہلو قرار دیا، جبکہ 'التمہید' میں اہلِ تعطیل، روافض، خوارج اور معتزلہ کی تردید کی اور خاص طور پر نظریۂ امامت میں اشعری موقف کی مضبوط وکالت کی۔ ان کی علمی کاوشوں کے باعث وہ متکلمین اور مفکرینِ سیاست دونوں میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

الحسین المغربی (370ھ/928ء-481ھ/1027ء)

نامور ادیب، شاعر، نثر نگار اور عباسی و بویہی دور کے وزیر تھے جن کی زندگی سیاسی نشیب و فراز سے بھری ہوئی تھی۔ وہ مختلف حکمرانوں کی خدمت میں رہے اور بالآخر میافارقین میں وفات پائی، جبکہ تدفین کوفہ میں ہوئی۔ ان کی ادبی تخلیقات میں 'اختیار شعر ابی تمام'، 'اختیار شعر البحتری'، 'اختیار شعر المتنبی' اور 'مختصر اصلاح المنطق' شامل ہیں۔ سیاسی فکر کے حوالے سے ان کی اہم ترین تصنیف کتاب السیاسۃ ہے جس میں سلطان، خواص اور عوام تینوں سطحوں پر سیاست کے اصول و اخلاق اور حکمران کے عملی فرائض پر قیمتی مباحث ملتے ہیں، جسے اسلامی سیاسی اخلاقیات اور نصائح کی نمایاں کاوش سمجھا جاتا ہے۔

ابو جعفر الطوسی (995-1067ء)

شیعہ فقہ و کلام کے سب سے نمایاں ائمہ میں سے ہیں جنہیں شیخ الطائفہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ طوس میں پیدا ہوئے، بغداد میں شیخ مفید اور سید مرتضی کے تلامذہ میں شامل رہے اور بعد ازاں نجف میں علمی مرکز کی بنیاد رکھی۔ ان کی تصنیفات میں 'تہذیب الأحکام' اور 'الاستبصار' (شیعہ حدیث کی چار مستند کتب میں شامل)، 'المبسوط' اور 'النہایة في الفقه' (فقہی مصادر)، 'التبیان فی تفسیر القرآن' (جامع تفسیر)، اور 'کتاب الغیبة' (امامت و سیاسی نظریہ) خصوصاً اہمیت کی حامل ہیں۔ فقہ، حدیث، اصولِ سیاست اور تفسیر میں ان کی علمی کاوشوں نے شیعہ علمی روایت کو مستقل بنیادیں فراہم کیں۔

ابن مسکویہ (م1030ء)

اسلامی تہذیب کے نامور فلسفی، مورخ اور ماہرِ اخلاقیات تھے جنہوں نے آلِ بویہ کے دربار میں بلند مقام حاصل کیا۔ ان کی سب سے اہم تصنیف 'تجارب الأمم' ہے جو ایک جامع تاریخی کتاب ہے، جبکہ اخلاقی فلسفے میں ان کی شہرت 'تہذیب الأخلاق و تطہیر الأعراق' کے باعث ہے جسے بعد میں نصیر الدین طوسی نے اپنی اخلاق ناصری میں شامل کیا۔ ابن مسکویہ نے انسانی کمال، سماجی تعاون اور سیاسی اخلاقیات پر زور دیا اور رہبانیت کی سخت مخالفت کرتے ہوئے اجتماعیت و باہمی محبت کو انسانی ارتقاء کی بنیاد قرار دیا۔

عبد القاہر البغدادی (م1037ء)

علمِ کلام اور فقہ کے نامور عالم تھے جنہوں نے نیشاپور میں طویل عرصہ تدریس کی اور خراسان کے متعدد فضلاء ان کے تلامذہ میں شامل رہے۔ وہ سترہ علوم میں مہارت رکھتے تھے اور خاص طور پر فقہ، حساب اور علمِ فرائض میں شہرت پائی۔ ان کی اہم تصانیف میں 'أصول الدین' (جس میں فرقوں کے نظریات محققانہ انداز میں بیان ہوئے ہیں) اور 'الفرق بین الفرق' (جس میں مناظرانہ رنگ غالب ہے) نمایاں ہیں۔ البغدادی نے سنی عقائد کے استحکام اور نظریۂ امامت کی مدلل تائید میں گراں قدر علمی خدمات انجام دیں۔

عبد المالک الثعالبی (350-429ھ/1038ء)

عبد المالک بن محمد بن اسماعیل الثعالبی نیشاپور کے نامور ادیب، شاعر اور انشاپرداز تھے۔ انہوں نے متنوع موضوعات پر متعدد کتابیں تصنیف کیں جن میں 'یتیمة الدهر' اور اس کی 'تتمة، مونس الأدباء'، 'لطائف المعارف' اور 'الفرائد والقلائد' نمایاں ہیں۔ سیاسیات میں ان کی دو کتابیں تحفۃ الوزراء (جس میں وزارت کے مفاہیم، اقسام، آداب اور تاریخی مثالیں بیان کی گئی ہیں) اور آداب الملوک (جس میں حکمرانوں کے آداب و ذمہ داریوں پر بحث ہے) خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ الثعالبی نے اپنے عہد کے وزیروں و امراء کے ساتھ علمی و ادبی تعلقات بھی قائم رکھے اور ان کی تحریریں سیاسی و تمدنی اخلاقیات کی قیمتی دستاویز شمار ہوتی ہیں۔

ابن سینا (370ھ/980ء-428ھ/1038ء)

ابو علی الحسین بن عبد اللہ ابن سینا دنیائے اسلام کے عظیم فلسفی، طبیب، منجم اور ماہرِ ریاضیات تھے جنہیں الشیخ الرئیس کہا جاتا ہے۔ بخارا کے قریب آخشنہ میں پیدا ہوئے اور ہمدان میں وفات پائی۔ طب میں ان کی کتاب 'القانون فی الطب' چھ صدیوں تک مشرق و مغرب کی جامعات میں پڑھائی جاتی رہی، جبکہ فلسفے میں 'الشفاء' ان کی سب سے بڑی تصنیف ہے۔ انہوں نے ایک مختصر 'رسالہ فی السیاسة' بھی لکھا جس میں سیاست کو انسانی معاشرت کی فطری ضرورت قرار دیا اور اصلاحِ احوال کو اس کا مقصد بتایا۔

اخوان الصفا (چوتھی صدی ہجری/دسویں صدی عیسوی)

اخوان الصفا آزاد خیال فلسفیانہ و روحانی جماعت تھی جو بصرہ میں پروان چڑھی اور جس کے اراکین نے خفیہ طور پر علمی و اخلاقی مباحث کو فروغ دیا۔ ان کی شہرہ آفاق تصنیف 'رسائل اخوان الصفا' ہے جو فلسفہ، سائنس، مذہب اور سیاست پر دائرۃ المعارف کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کے سیاسی افکار میں 'دولت اہل الخیر' (نیک لوگوں کی حکومت) اور 'دولت اہل الشر' (بدکاروں کی حکومت) جیسی اصطلاحات ملتی ہیں۔ وہ ریاست کو مذہب اور بادشاہت پر قائم سمجھتے تھے اور سیاست کو اخلاق و معاشرت کی اصلاح کا وسیلہ قرار دیتے تھے۔

ابو یعلی الفراء (458ھ/1066ء)

ابو یعلی الفراء بغداد کے مشہور حنبلی فقیہ اور متکلم تھے، جنہیں عباسی خلفاء القادر باللہ اور القائم بأمر اللہ کے عہد میں خاص اثر و رسوخ حاصل ہوا۔ انہوں نے قاضی القضاۃ کا منصب اس شرط پر قبول کیا کہ درباری رسومات اور شاہی جلوسوں میں شریک نہیں ہوں گے۔ وہ عقائد میں سلف صالحین کے پیروکار تھے اور صفاتِ الٰہی میں تاویل کے مخالف تھے، جس کی وضاحت انہوں نے اپنی کتاب 'ابطال التأویلات لأخبار الصفات' میں کی۔ ان کی سیاسی فکر کی نمایاں نمائندہ تصنیف 'الاحکام السلطانیة' ہے، جو امام ماوردی کی اسی نام کی کتاب سے قریب تر ہے، تاہم انہوں نے اس میں حنبلی فقہ کی روش کو اپنایا۔

ابن حزم اندلسی(384ھ/994ء-456ھ/1064ء)

ابن حزم اندلس کے جلیل القدر عالم، محدث، مورخ، فقیہ، فلسفی اور ادیب تھے۔ وہ قرطبہ میں پیدا ہوئے اور ابتدا میں شافعی فقہ سے وابستہ رہے مگر بعد میں ظاہری مسلک کے سب سے بڑے نمائندہ بنے۔ سیاسی انقلابات کی بنا پر انہیں وزارت، قید اور جلاوطنی جیسے حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے نصوصِ قرآن و سنت کی ظاہری تعبیر کو بنیاد بنایا اور تاویلات کی سختی سے مخالفت کی۔ ان کی مشہور تصانیف میں 'الفصل في الملل والأهواء والنحل'، 'المحلى'، 'الإحكام في أصول الأحكام' اور 'طوق الحمامة' شامل ہیں۔ ان کے سیاسی افکار کا خلاصہ یہ ہے کہ خلافت و امامت کا قیام واجب ہے، خلیفہ کا قریشی، بالغ، مرد، مسلمان اور متقی ہونا ضروری ہے، خلافت وراثت کی بنیاد پر نہیں ہو سکتی اور نہ ہی عورت کو خلیفہ بنایا جا سکتا ہے۔

امیر کیکاؤس(1021-1095ء/412-487ھ)

امیر معالی کیکاؤس زیاری خاندان کے نامور حکمران اور قابوس بن وشمگیر کے پوتے تھے۔ ان کی سب سے مشہور تصنیف قابوس نامہ ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے گیلان شاہ کے نام نصیحت نامے کی صورت میں لکھی۔ یہ کتاب 44 ابواب پر مشتمل ہے اور فارسی نثر کی شاہکار تحریروں میں شمار ہوتی ہے۔ اس میں مذہبی، سماجی، معاشی اور سیاسی موضوعات کو عملی زندگی کے تجربات اور حکایات کے ذریعے پیش کیا گیا ہے۔ 'قابوس نامه' میں حکمران کے لیے چھ اوصاف (ہیبت، عدل، سخاوت، قانون کا احترام، سنجیدگی، راست گفتاری) کو لازمی قرار دیا گیا ہے اور فوج و رعایا کو حکومت کے دو ستون بتایا گیا ہے۔

نظام الملک طوسی(408ھ/1018ء-485ھ/1092ء)

نظام الملک طوسی سلجوقی سلطنت کے نامور وزیر تھے جنہوں نے الپ ارسلان اور ملک شاہ کے عہد میں تقریباً تیس برس تک حسن تدبیر و سیاست سے ریاست کو استحکام بخشا۔ انہوں نے علمی و رفاہی خدمات کے طور پر بغداد سمیت بڑے شہروں میں نظامیہ مدارس قائم کیے۔ ان کی شہرہ آفاق تصنیف سیاست نامہ ہے جس میں پچاس ابواب کے ذریعے حکمرانی، عدل و انصاف، فوجی نظم، وزراء و عمال کے فرائض اور رعایا کی خبر گیری جیسے عملی سیاسی مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب فارسی نثر کا اہم شاہکار اور عملی سیاسیات کا قیمتی ماخذ ہے۔

ابو الحسن الماوردی(364ھ/975ء-450ھ/1058ء)

الماوردی شافعی فقیہ، مفسر اور اسلامی سیاسیات کے ممتاز مفکر تھے۔ انہوں نے بغداد میں قضا اور تدریس کے فرائض انجام دیے اور عباسی خلافت کے دفاع میں سرگرم رہے۔ ان کی سب سے مشہور تصنیف 'الأحكام السلطانية' ہے جس میں امامت، وزارت، قضا اور مالیات جیسے بنیادی سیاسی و انتظامی مسائل پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ دیگر اہم کتابوں میں 'قوانين الوزارة و سياسة الملك'، 'نصيحة الملوك اور تسهيل النظر وتعجيل الظفر' شامل ہیں۔ ان کی تحریروں میں اسلامی حکومت کے اصول، وزارت کے تقاضے اور سیاست کے اخلاقی و عملی پہلو نمایاں ہیں۔

امام الحرمین الجوینی(419ھ/1028ء-478ھ/1085ء)

امام الحرمین الجوینی اشعری مکتبِ فکر کے نمایاں فقیہ و متکلم تھے جو نیشاپور کے مدرسہ نظامیہ میں تدریس کے باعث علمی شہرت کے حامل ہوئے۔ فقہ میں ان کی تصنیفات 'الورقات' اور 'البرہان فی اصول الفقه' بنیادی اہمیت رکھتی ہیں، جبکہ علمِ کلام میں 'الإرشاد' کو کلاسیکی مرجع کا درجہ حاصل ہے۔ سیاسیات پر ان کی اہم کتاب 'غياث الأمم عن التياث الظلم' ہے جس میں امامت کے وجوب، امام کی صفات، معزولی کے حالات اور اہل حل و عقد کے اختیارات جیسے مسائل پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب اسلامی سیاسی نظریے کی کلاسیکی تدوین کا اہم ماخذ ہے۔

محمد الحمیدی الاندلسی (430ھ/1029ء-488ھ/1095ء)

محمد الحمیدی اندلس کے مشہور فقیہ، محدث، مورخ اور ادیب تھے جو علمی اسفار کے بعد بغداد میں مقیم ہوئے۔ وہ مسلکاً ظاہری تھے اور اپنی تحریروں میں اسی فکر کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کی معروف تصانیف میں 'جذوة المقتبس في ذكر ولاة الأندلس' اور 'أسماء رواة الحديث وأهل الفقه والأدب' شامل ہیں۔ سیاسیات میں ان کی تصنیف 'الذهب المسبوك في وعظ الملوك' قابل ذکر ہے جس میں عدل کے قیام، شوریٰ کی اہمیت، دولت کی منصفانہ تقسیم اور حاکم ورعایا کے تعلقات جیسے مسائل پر بصیرت افروز بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب حکمرانوں کی اخلاقی و عملی اصلاح کے لیے لکھی گئی ایک اہم نصیحت نامہ ہے۔

محمد بن الولید الطرطوشی (451ھ/1059ء-520ھ/1126ء)

ابو بکر محمد بن الولید الطرطوشی اندلس کے مشہور مالکی فقیہ، محدث اور مفسر تھے جنہوں نے اندلس، مشرقِ وسطیٰ اور حجاز کے اسفار کے بعد اسکندریہ میں تدریس اختیار کی۔ ان کی اہم تصنیف 'سراج الملوک' ہے جو امراء وسلاطین کے کردار، رعایا سے تعلق، عدل وشوریٰ کی اہمیت اور ریاستی اداروں کے نظم پر مبنی ایک جامع سیاسی نصیحت نامہ ہے۔ اس میں حکومت کے استحکام، ظلم واستبداد کے نقصانات، وزراء وقضاۃ کی صفات اور ذمیوں سے متعلق احکام جیسے موضوعات پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ یہ کتاب اسلامی سیاسی فکر کی عملی جہت کو اجاگر کرتی ہے۔

امام ابو حامد الغزالی (450ھ/1058ء-505ھ/1111ء)

امام الغزالی، جنہیں حجۃ الاسلام کہا جاتا ہے، شافعی فقیہ، متکلم، صوفی اور عظیم مصلح تھے۔ انہوں نے فلسفہ، کلام اور فقہ پر گراں قدر کام کیا، مگر سیاسیات میں ان کی اہم کتابیں 'فضائح الباطنية'، 'سر العالمين' اور 'التبر المسبوك في نصيحة الملوك' ہیں۔ ان میں امامت کے فرائض، عصبیت واقتدار کا تعلق، عدل وشوریٰ کی ضرورت، سلطان کی ذمہ داریاں اور رعایا کی اصلاح جیسے مسائل زیر بحث آئے ہیں۔ امام غزالیؒ نے سیاسی فکر میں اخلاقی وروحانی بنیادوں پر زور دیا اور حکمران کی ذاتی تہذیب وتقویٰ کو ریاستی اصلاح کا نقطہ آغاز قرار دیا۔ ان کی سیاسی تصانیف اسلامی حکومت کے عملی، اخلاقی اور روحانی پہلوؤں کی نادر مثال ہیں۔

ابن باجہ (۵۳۳ھ/۱۱۳۸ء)

ابو بکر محمد بن یحییٰ ابن باجہ اندلس کے نامور فلسفی، سائنس دان اور طبیب تھے جنہیں مغرب کا ابنِ سینا کہا گیا۔ وہ فلسفہ، منطق، طب، موسیقی اور ہیئت میں یکساں مہارت رکھتے تھے۔ ان کی مشہور تصانیف میں 'تدبير المتوحد'، 'كتاب النفس' اور 'رسالة الوداع' شامل ہیں۔ ان کے سیاسی افکار میں مثالی ریاست (المدينة الفاضلة)، حکمران اور رعایا کے تعلقات، اور انسانی سعادت کو ریاستی نظام سے وابستہ کرنے کے نظریات نمایاں ہیں۔ ان کی فکر نے ابن طفیل اور ابن رشد کے لیے فکری بنیاد فراہم کی۔

ابن طفیل (۵۸۱ھ/۱۱۸۵ء)

ابو بکر محمد بن عبد الملک ابن طفیل اندلس کے فلسفی، طبیب اور ماہر ادب تھے، جو موحد حکمران ابو یعقوب یوسف کے دربار میں شاہی طبیب بھی رہے۔ ان کی شہرت کا سب سے بڑا سبب ان کی فلسفیانہ داستان 'حی بن یقظان' ہے جس میں انہوں نے فطری عقل اور دینی وحی کے باہمی رشتے کو علامتی انداز میں بیان کیا۔ یہ رسالہ انسانی فطرت، قانونِ قدرت، اور شریعت وفلسفہ کے تعلق کی وضاحت کرتا ہے۔ ان کے افکار نے بعد کے یورپی مفکرین مثلاً ہابس، لاک اور روسو کے نظریاتِ فطری ریاست اور عمرانی معاہدہ پر اثر ڈالا۔

ابن رشد(۵۲۰ھ/۱۱۲۶ء-۵۹۵ھ/۱۱۹۸ء)

ابو الولید محمد بن احمد بن رشد اندلس کے سب سے بڑے فلسفی اور یورپ میں Averroes کے نام سے مشہور ہوئے۔ وہ قاضی، طبیب اور فلسفی تھے جنہوں نے ارسطو کی شروح لکھ کر فلسفیانہ روایت کو نئی زندگی بخشی۔ ان کی مشہور تصانیف میں' تہافت التہافت'،' فصل المقال' اور' کشف المناہج' شامل ہیں۔ فلسفہ اور مذہب کے تعلق پر ان کا نظریہ یہ تھا کہ دونوں حقیقت کے مختلف مظاہر ہیں اور ان کا باہمی اتفاق ضروری ہے۔ ان کے سیاسی افکار میں مثالی ریاست، فرد اور اجتماع کی سعادت اور نظمِ ریاست کی ناگزیریت جیسے تصورات نمایاں ہیں، جنہوں نے یورپی فکر پر بھی گہرا اثر ڈالا۔

ابن الجوزی(۵۱۰ھ/۱۱۱۶ء-۵۹۷ھ/۱۲۰۱ء)

عبد الرحمٰن بن علی ابن الجوزی بغداد کے نامور محدث، فقیہ، واعظ اور مؤرخ تھے جنہوں نے وعظ و تدریس کے ذریعے بے مثال مقبولیت حاصل کی۔ انہوں نے تقریباً تین سو کتب تصنیف کیں جن میں' المنتظم فی تاریخ الملوک والامم'،' صفوۃ الصفوۃ'،' تلبیس ابلیس' اور' کتاب الاذکیاء' زیادہ معروف ہیں۔ ان کی سیاسی تصنیف 'الشفا فی مواعظ الملوک والخلفاء' میں ریاست کی اہمیت، عدل کی ضرورت، ظلم کے اثرات اور خلفائے راشدین کے اصولِ حکومت پر تفصیلی بحث ملتی ہے۔ ابن الجوزی نے ہمیشہ علماء کی یہ ذمہ داری اجاگر کی کہ وہ حکمرانوں کو نصیحت کریں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں۔

ابن حمدون(۴۹۵ھ/۱۱۰۲ء-۵۶۲ھ/۱۱۶۷ء)

ابو عبد اللہ محمد بن حمدون ادیب، شاعر، کاتب اور مورخ تھے جو عباسی خلیفہ المستنجد باللہ کے درباری رفقا میں شامل رہے۔ ان کی مشہور تصنیف 'التذکرۃ الحمدونیۃ' (یا التذکرۃ في السیاسۃ والآداب الملکیۃ) پچاس ابواب پر مشتمل ہے جس میں تاریخ، ادب اور سیاست پر قیمتی مباحث ملتے ہیں۔ بالخصوص آدابِ سلطنت، عدل و ظلم، مشاورت، اور حکمران کے رویوں پر ان کی گفتگو بعد کے سیاسی ادب میں نمایاں اہمیت رکھتی ہے۔ اسی کتاب کی وجہ سے وہ خلیفہ کے غضب کا نشانہ بنے اور قید ہی میں وفات پائی۔

محمد بن طلحہ القرشی(۵۸۲ھ/۱۱۸۶ء-۶۵۴ھ/۱۲۵۴ء)

فقیہ، محدث اور ماہر اصولِ فقہ ہونے کے ساتھ ساتھ سیاست دان بھی تھے۔ ان کی اہم تصنیف' العقد الفرید للملك السعید' ہے جس میں انہوں نے سیاست کے چار بڑے ارکان پر بحث کی: حکمران کے اخلاقی اوصاف، سلطنت و ولایت کا نظم، شریعت و قضاء کے اصول، اور حدود و تعزیرات۔ کتاب میں عدل و انصاف کی ضرورت، ظلم و استبداد کے نقصانات، شوریٰ کی اہمیت اور وحدتِ ملت پر زور دیا گیا ہے، جو اسلامی سیاسی فکر کا نمایاں پہلو ہے۔

ابن الطقطقی(۶۶۰ھ/۱۲۶۲ء-۷۰۹ھ/۱۳۰۹ء)

علوی النسب مؤرخ و محقق ابن الطقطقی اسلامی سیاسی فکر میں 'الفخری في الآداب السلطانیۃ' کے ذریعے مشہور ہیں۔ یہ کتاب والیِ موصل فخر الدین عیسیٰ کے نام معنون ہے اور اسلامی تاریخ کے مختلف سیاسی ادوار کے ساتھ ساتھ وزارت و ریاست کے عملی اصولوں کو موضوع بناتی ہے۔ ابن الطقطقی نے نظریہ امامت پر کلامی بحث سے گریز کرتے ہوئے روزمرہ سیاسی آداب، عدل و انصاف، رعایا کے حقوق و فرائض، اور حکمران کے اوصاف پر زور دیا۔ ان کا منہاج تحقیق بعد میں ابن خلدون کے فلسفیانہ مطالعۂ تاریخ کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

ابن جماعہ (۶۳۹ھ / ۱۲۴۱ء-۷۳۳ھ / ۱۳۳۳ء)

بدرالدین ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم الکنانی الحموی نامور عرب فقیہ اور قاضی القضاۃ تھے، جو یروشلم، قاہرہ اور دمشق جیسے بڑے علمی مراکز میں قضا کے اعلیٰ مناصب پر فائز رہے۔ تدریس اور عدالتی خدمات کے ساتھ انہوں نے آئینی و سیاسی فقہ پر گراں قدر تصنیف تحریر 'الأحكام في تدبير أهل الإسلام' لکھی۔ اس کتاب کے ابتدائی ابواب امامت کی ضرورت، امام کی شرائط و اوصاف، وزارت و ریاست کے آداب اور حکمران کے فرائض پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ابن جماعہ نے سیاست کو قرآن و سنت اور سلف کے آثار کی روشنی میں ایک منظم فقہی ڈھانچے کے طور پر پیش کیا۔

ابن المطہر الحلی (۱۲۵۰ء-۱۳۲۵ء)

جمال الدین حسن بن یوسف بن مطہر الحلی ممتاز شیعہ فقیہ، متکلم اور فلسفی تھے، جنہوں نے ناصر الدین طوسی سے فلسفہ و کلام کی تعلیم پائی اور ایلخانی دربار میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ انہوں نے ایلخان اولجایتو کو شیعہ عقائد کا حامی بنایا، جس کے نتیجے میں ایران میں اثنا عشری تشیع کو سرکاری مذہب کا درجہ ملا۔ ان کی پانچ سو کے قریب تصانیف میں 'الباب الحادي عشر' (اصولِ تشیع) اور 'شرح تجريد الاعتقاد' زیادہ مشہور ہوئیں۔ یہ کتابیں آج تک شیعہ فقہ و کلام میں بنیادی مراجع سمجھی جاتی ہیں اور امامت کے نظریہ پر ان کا اثر مسلم سیاسی فکر میں نہایت اہمیت رکھتا ہے۔

ابن تیمیہ (۶۶۱ھ / ۱۲۶۳ء–۷۲۸ھ / ۱۳۲۸ء)

تقی الدین احمد بن عبد الحلیم المعروف ابن تیمیہ شیخ الاسلام، مفسر، فقیہ، محدث اور مجدد تھے جنہوں نے فکری و عملی جہاد میں اپنی زندگی گزاری اور متعدد بار قید و نظر بندی کا سامنا کیا۔ انہوں نے سیاست پر براہِ راست کئی اہم تصانیف لکھیں، جن میں 'السياسة الشرعية في إصلاح الراعي والرعية' بنیادی ہے، جس میں حکمرانی کو امانت اور عدل پر قائم کیا گیا۔ اسی طرح 'الحسبة اور الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر' میں انہوں نے نظمِ اجتماعی، محتسب کے فرائض اور عوامی شرکت کے اصول واضح کیے۔ ان کے 'فتاویٰ' اور 'منهاج السنة النبوية' اہل سنت کے نظریۂ خلافت و امامت کی معتبر نمائندگی کرتی ہے۔ ابن تیمیہ کا سیاسی فکر عدل، شوریٰ اور جہاد کے اصولوں پر قائم ہے، جس نے بعد کی اسلامی سیاسی روایت پر گہرا اثر ڈالا۔

ابن قیم الجوزیہ (۶۹۱ھ / ۱۲۹۲ء–۷۵۱ھ / ۱۳۵۰ء)

شمس الدین محمد بن ابی بکر الزرعی، معروف بہ ابن قیم الجوزیہ، حنبلی فقیہ، مفسر اور متکلم تھے اور ابن تیمیہ کے قریبی شاگرد و رفیق سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے تقلیدِ شخصی کی سخت مخالفت کی اور فلاسفہ، معتزلہ و صوفیہ کی بعض آراء پر علمی نقد کیا۔ ان کی تصانیف میں 'إعلام الموقعين'، 'زاد المعاد'، 'مدارج السالكين' اور 'مفتاح دار السعادة' نمایاں ہیں۔ سیاسی فکر میں ان کی اہم کتاب 'الطرق الحكمية في السياسة الشرعية' ہے جس میں انہوں نے عدل، حدود و تعزیرات، احتساب اور بازار کے نظم کو شرعی سیاست کا حصہ قرار دیا۔

عبدالرحمن الشیرازی (م ۷۷۲ھ / ۱۳۷۰ء)

عبد الرحمن بن نصر العدوی الشیرازی فقیہ و قاضی تھے جنہوں نے طبریہ میں قضا کا منصب سنبھالا اور متعدد موضوعات پر تصانیف لکھیں۔ ان کی کتاب 'المنهج المسلوك في سياسة الملوك' علمِ سیاست میں اہم ہے، جو ۱۹ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں عادل بادشاہ کی ضرورت، شوریٰ کے اصول، فوجی نظم، باغیوں کی سرکوبی اور وزراء و علما کے مشورے کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے علاوہ 'الإيضاح في أسرار النكاح' اور 'نهاية المرتبة الظريفة في طلب الحسبة الشريفة' ان کی معروف تصانیف ہیں۔

لسان الدین ابن الخطیب (۷۱۳ھ / ۱۳۱۳ء–۷۷۶ھ / ۱۳۷۴ء)

لسان الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ السلمانی الاندلسی، مشہور ادیب، شاعر، مورخ اور وزیر تھے جنہیں غرناطہ میں "ذوالوزارتین" کہا جاتا تھا۔ سیاسیات پر ان کی اہم تصانیف میں 'الإشارة إلى أدب الوزارة' (وزارت کے آداب)، 'رسالة في السياسة' (قشتالہ کے بادشاہ کے لیے لکھی گئی نصائح)، اور 'ضخيم بستان الدول' شامل ہیں جو سلطنت کے مختلف اداروں پر مبسوط مباحث پیش کرتی ہے۔ ان کی منظوم تصنیف 'تخصيص الرياسة بتلخيص السياسة' سیاست کو فلسفۂ مدنیہ کی فرع کے طور پر بیان کرتی ہے۔ ابن الخطیب اندلس میں اسلامی سیاسی فکر کے بڑے نمائندہ مفکر ہیں۔

ابن رضوان المالقی (۷۱۸ھ / ۱۳۱۸ء–۷۸۴ھ / ۱۳۸۶ء)

عبد اللہ بن یوسف بن رضوان المالقی فقیہ، خطیب اور ادیب تھے جنہوں نے مغربی اسلام، خصوصاً مرینی سلطنت کے دربار میں خدمات انجام دیں۔ وہ ابن خلدون کے معاصر اور المقدم کے پیش رو مفکر سمجھے جاتے ہیں۔ ان کی مشہور تصنیف 'الشهب اللامعة في السياسة النافعة' سلطان ابو ابراہیم المرینی کے نام منسوب ہے، جو ۲۵ ابواب پر مشتمل ہے اور خلافت، عدل، بیت المال، فوجی تنظیم، حکومتی اصلاح اور معاشرتی بدعنوانیوں کے خاتمے کے اصول بیان کرتی ہے۔ یہ کتاب اسلامی سیاسی فکر میں ایک بنیادی ماخذ تصور کی جاتی ہے۔

میر سید علی ہمدانی (۷۱۴ھ / ۱۳۱۴ء–۷۸۶ھ / ۱۳۸۵ء)

سید علی ہمدانی، کشمیر میں معروف امیر کبیر، شاہ ہمدان اور علی ثانی کے القاب سے جانے جاتے ہیں، صوفی، مفسر اور عالم تھے۔ ایران، شام، بغداد اور ہندوستان میں طویل اسفار کے بعد وہ کشمیر میں تشریف لائے اور اصلاح و تبلیغ کے وسیع کام انجام دیے۔ ان کی مشہور تصانیف 'ذخيرة الملوك' اور 'رساله مكتوبات اسلامی' سیاسی فکر اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے موضوعات پر مرکوز ہیں، جن میں انہوں نے عدل و انصاف، شریعت کی تنفیذ، حکمران اور رعایا کے حقوق و فرائض اور اسلامی حکومت کے اصول بیان کیے ہیں۔ ہمدانی کے نزدیک عدل پر مبنی حکومت خدا کی نائب اور شریعت کی محافظ ہوتی ہے۔

ابن خلدون (۷۳۲ھ / ۱۳۳۲ء–۱۴۰۴ء)

عبد الرحمن بن خلدون مالکی مسلک کے فقیہ، مؤرخ، ادیب اور ماہر عمرانیات اسلامی تھے، جنہوں نے تیونس میں پیدا ہو کر قاہرہ میں وفات پائی۔ وہ سیاست، معاشرت اور تمدن کے تجزیے کے لیے مشہور ہیں اور اپنی شہرہ آفاق تصنیف 'المقدمة' میں علم سیاست کو ایک مستقل علم کے طور پر متعارف کرایا۔ (10) ابن خلدون نے انسانی معاشرہ، ریاست، اقتدار، اقتصادیات اور جغرافیائی عوامل کے تعلق کو باریک بینی سے بیان کیا اور عصبیت کے نظریے کے تحت سیاسی نظام کی تشریح کی۔ ان کی دوسری اہم تصنیف 'تاريخ العبر' ہے، جو تاریخ عرب و بربر اور اسلامی دنیا کے واقعات کا مفصل احاطہ کرتی ہے۔ ان کا فکری کام اسلامی سیاسی فکر اور عمرانیات میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

القلقشندی (۷۵۶ھ / ۱۳۵۵ء–۱۴۱۸ء)

احمد بن علی القلقشندی شافعی مسلک کے فقیہ، ادیب، مورخ اور علم انساب کے ماہر تھے، جو قاہرہ کے مضافات قلقشندہ میں پیدا ہوئے۔ ان کی مشہور تصنیف 'صبح الأعشى في قوانين الانشا' ۱۴ جلدوں پر مشتمل ہے، جس میں ادب، تاریخ اور جغرافیہ کے موضوعات کا مفصل بیان

10- Fahad, *Redefining Islamic Political Thought*, 179/1

ہے۔ سیاسی فکر کے حوالے سے ان کی کتاب ' مآثر الأنافة في معالم الخلافة' اہم ہے، ([11]) جس میں انہوں نے خلافت کے معنی و مفہوم، خلفاء و رعایا کے حقوق و فرائض، خلافت کی شرائط اور تاریخی خلفاء کے انتظامات پر روشنی ڈالی۔ القلقشندی کے کام نے اسلامی سیاسی اور ادبی روایت میں خلافت کے ادارے اور اس کے عملی پہلوؤں کو واضح اور مستند طور پر پیش کیا۔

ابن عربشاہ (۷۹۱ھ/۱۳۸۹ء–۱۴۵۰ء)

احمد بن محمد بن عربشاہ حنفی مسلک کے ادیب، مورخ، ماہر لغت و نحو اور ممتاز سیاح تھے، جنہوں نے دمشق میں پیدا ہو کر خانقاہ صلاحیہ مصر میں وفات پائی۔ وہ تیمور لنگ کے حملے کے بعد ماوراء النہر اور سمرقند کا سفر کر کے متعدد ممالک کی سیاحت کے ذریعے علوم و فنون میں مہارت حاصل کر گئے۔ ان کی مشہور تصنیف 'عجائب المقدور في أخبار تيمور' ہے، ([12]) جبکہ سیاسی فکر اور اخلاقیات پر مبنی ان کے کام 'فاكهة الخلفاء ومفاكهة الظرفاء' میں جانوروں اور پرندوں کے مکالموں کے ذریعے حکمرانوں کے لیے نصائح دی گئی ہیں۔ ابن عربشاہ نے سیاسی اداروں، عدل اور شوری کی اہمیت کو تفریحی انداز میں بیان کیا۔

جلال الدین الدوانی (۱۴۲۷ء۔۱۵۰۱ء)

محمد بن اسعد جلال الدین الدوانی فارس میں پیدا ہوئے اور شیراز کے مدرسۃ الایام میں تدریس اور قضا کا فریضہ انجام دیا۔ وہ فلسفہ، اخلاق و تصوف میں ماہر تھے اور اخلاق جلالی میں ناصر الدین طوسی کے فلسفیانہ نظریات کو عملی اور امت مسلمہ کے حالات کے تناظر میں پیش کیا۔ انھوں نے "اخلاق جلالی" تحریر کی۔ ([13]) الدوانی نے اسلامی تعلیمات اور نصوص قرآن و حدیث کے ساتھ فلسفیانہ اصولوں کو ہم آہنگ کرتے ہوئے شریعت، عدل و انصاف، اور امت مسلمہ کے اتحاد پر زور دیا۔ ان کی فکر میں بادشاہت ایک مثالی طرز حکومت ہے، جس میں بادشاہ عدل کا محافظ اور امت کی رہنمائی کے لیے نصائح سے مستفید ہوتا ہے۔

محمود گاواں (۱۴۱۱ء-۱۴۸۱ء)

محمود گاواں دہلی اور دکن کے تاریخی تناظر میں بہمنی سلطنت کے وزیر اعظم اور ممتاز سیاسی شخصیت تھے، جنہوں نے محمد شاہ سوم کے دور میں (۱۴۶۳–۱۴۸۲ء) سلطنت کو عروج تک پہنچایا۔ وہ عدل و انصاف، فوجی و انتظامی اصلاحات، اور محصول کی منصفانہ تقسیم کے قائل تھے اور سلطنت کو چار کی بجائے آٹھ صوبوں میں تقسیم کر کے گورنروں کے اختیارات محدود کیے۔ محمود گاواں ریاضی و طب کے ماہر اور اہل علم کی صحبت میں رہنے والے فاضل شخصیت تھے، جن کے خطوط کا مجموعہ ' رياض الانشاء ' میں سیاسی بصیرت اور نظریات سیاست واضح جھلکتے ہیں۔ ([14]) انہوں نے سادگی، صنعت و حرفت، اور حکمرانوں کے لیے عدل و نصیحت کی اہمیت پر زور دیا اور سلطنت میں اصلاح و خوشحالی کے اصول نافذ کیے۔

حاجی خلیفہ (۱۶۰۸-۱۶۵۷ء)

مصطفی بن عبد اللہ حاجی خلیفہ عثمانی سلطنت کے معروف مورخ، محقق اور انسائیکلوپیڈسٹ تھے، جنہیں ' كشف الظنون' کی وجہ سے شہرت حاصل ہوئی۔ ([15]) انہوں نے سلطنت کی مالی و انتظامی اصلاحات اور سیاسی مسائل پر فلسفیانہ تناظر میں سفارشات پیش کیں، جنہیں دستور العمل

[11]- Ibid., 181/1 .
[12]- Ibid., 182/1 .
[13]- Ibid., 183/1 .
[14]- Ibid., 185/1 .
[15]- Ibid., 188/1 .

میں مرتب کیا گیا۔ حاجی خلیفہ ابن خلدون کی 'المقدمة' سے متاثر نظر آتے ہیں اور انہوں نے انسانی معاشرت اور ریاست کے مختلف مراحل کا تجزیہ کر کے عملی تجاویز دی ہیں، جن میں فوج، مالیات اور رعایا کے تعلقات پر تفصیل شامل ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۷۰۳۔۱۷۶۲ء)

شاہ ولی اللہ دہلوی محدث، مفسر، مجتہد اور متکلم اسلام تھے، جنہوں نے دہلی میں مدرسہ رحیمیہ کی بنیاد رکھی اور دینی و سیاسی اصلاحات کی تحریک چلائی۔ ان کی تصانیف، خاص طور پر 'حجة الله البالغة'، اسلامی زندگی اور سیاسی نظام کی جامع تعبیر پیش کرتی ہیں،([16]) جس میں شہر، سلطان، رعایا، خلافت اور مثالی معاشرت کے مختلف اصول زیر بحث ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے شریعت اور طریقت کے درمیان توازن قائم کرتے ہوئے مسلمانوں میں دینی و سیاسی بیداری پیدا کی اور برصغیر میں اصلاحی و تعمیری تحریکوں پر گہرا اثر چھوڑا۔

درج بالا کتب اور علمی تناظرات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ عبید اللہ فہد فلاحی کا یہ موقف درست نہیں کہ کلاسیکل عہد میں سیاسی فکر پر مبنی کوئی علمی سرمایہ وجود میں نہیں آیا۔ ابتدائی اسلامی مفکرین نے متنوع موضوعات میں تحقیق و تالیف کی، جن میں حکومت، ریاست، معاشرت، رعایا کے حقوق اور اقتدار کے اصول شامل تھے۔ ان علمی کوششوں نے نا صرف عملی سیاسی نظم و نسق کے لیے رہنما خطوط فراہم کیے بلکہ نظریاتی جہت میں بھی سیاسی شعور و بصیرت کو پروان چڑھایا۔ اس دور کی تصانیف، خواہ فقہی ہوں، اخلاقی ہوں یا فلسفیانہ، ایک مربوط علمی روایت کا حصہ تھیں جو سیاسی امور اور حکومتی اصولوں کے بارے میں گہرائی اور جامعیت رکھتی تھیں۔ اس تناظر میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کلاسیکل اسلامی عہد میں سیاسی فکر محدود یا غیر موجود نہیں تھی بلکہ ایک منظم، متحرک اور متنوع علمی ذخیرہ موجود تھا، جس کی بنیاد پر بعد کے مفکرین نے اپنی تالیفات اور عملی تجاویز پیش کیں۔

اس بات کی مزید تصدیق جابر علوانی کے اس بیان سے ہوتی ہے: "سیاسی فکر کے تمام موضوعات سے جڑے بہت سے سوالات اسلامی فقہ کی روایت کے اندر ضرور زیر بحث آئے۔ فقہ کی تاریخ دراصل ان مسائل کو براہِ راست یا بالواسطہ طور پر چھوتی ہے جنہیں آج سماجی علوم میں منظم طریقے سے پڑھایا جاتا ہے۔ ابتدائی اسلامی علما نے سیاسیات کے کئی بنیادی سوالات کو اپنی تحریروں میں خاص طور پر فقہ السلطانیہ یعنی "اصولِ اقتدار" کے دائرے میں بیان کیا۔ اس سلسلے میں نمایاں مثال شیخ ابن تیمیہ (۶۶۱۔۷۲۸ھ) کی کتاب 'السياسة الشرعية' ہے، جو عملی سیاست کو شریعت کے مقاصد کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی ایک اہم کاوش تھی۔ اسی طرح خطیب الاسکافی (۲۵۰ھ۔۳۳۵ھ) کی 'التدبير' بھی سیاسی نظم و نسق کے پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہے۔ ان کے علاوہ شہاب الدین أحمد بن محمد بن ابي ربيع کی 'سلوك الملك في تدبير الممالك' اور ابن عطاء اللہ الاسکندری کی 'قواعد السلك' جیسی کتب بھی اسی روایت کا حصہ ہیں۔ یہ تمام تصنیفات اس بات کا ثبوت ہیں کہ اسلامی علمی روایت میں سیاسی فکر کا مواد فقہی اور اخلاقی ڈھانچے کے اندر پرویا ہوا ملتا ہے۔([17])

وہ مزید لکھتے ہیں:

یہ تصنیفات اس حقیقت کو اجاگر کرتی ہیں کہ مسلمانوں کے نزدیک سیاست کا مفہوم، جیسا کہ اسلام نے متعین کیا ہے، دراصل انسانیت کے لیے ایسے اجتماعی اور تمدنی انتظامات فراہم کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ اقدار کے مطابق ہوں۔ ان انتظامات کا مقصد یہ ہے کہ مخلوقِ خدا میں تخلیق

[16]- Ibid., 192/1 .
[17]- Al-Alwani, *"Political Science in the Legacy of Classical Islamic Literature,"* 9 .

کے مقاصد پورے ہوں، خلافت کی امانت ادا ہو، تمدنی فرائض بجالائے جائیں، اور امت اپنی اس ذمہ داری کو پورا کرے کہ وہ "اُمتِ وسط" کی حیثیت سے پوری انسانیت پر گواہی دینے والی جماعت بن سکے۔

یہ "انتظامات" صرف ماضی کے مطالعے اور اس سے حاصل شدہ اسباق کو محفوظ رکھنے تک محدود نہیں، بلکہ ان کا تقاضا یہ بھی ہے کہ حال کے مسائل انہی اسباق کی روشنی میں سمجھ کر ان کا تجزیہ اور تشریح کی جائے۔ مزید برآں، ان میں مستقبل کی منصوبہ بندی اور موجودہ حالات کے درست ادراک کے لیے تمام سائنسی و فکری علوم سے فائدہ اٹھانا بھی شامل ہے۔ اس نوعیت کے انتظامات کے لیے بصیرت، محنت اور ذہنی صلاحیت کی ایک خاص سطح درکار ہے۔ یہی وہ غیر معمولی ذہانت اور قابلیت ہے جسے کلاسیکی فقہاء نے "فقہِ نافع" (Fiqh al-Nafi) سے تعبیر کیا ہے، یعنی ایسی فطری مذہبی و قانونی بصیرت جو اس شخص میں ودیعت ہو، جس کے لیے تجزیہ اور ادراک کی صلاحیت ایک پختہ اور فطری ملکہ بن چکی ہو۔([18])

عبید اللہ فہد فلاحی عصرِ حاضر کے اُن جدید ذہن کے محققین میں سے ہیں جو کلاسیکی عہد کے سیاسی افکار پر تنقیدی نظر ڈالتے ہیں۔ اُن کی بیشتر علمی کاوشیں جدید ذہن رکھنے والے عرب مصنفین کی تصانیف کے تراجم اور اُن کے گہرے مطالعے پر مشتمل ہیں۔ ان کے تجزیے سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ کلاسیکی عہد میں سیاسی فکر کی تشکیل اور اس کی نوعیت پر غالب نظریات انہی علما کی فکری بنیادوں سے متاثر تھے۔ اس تناظر میں کہا جا سکتا ہے کہ فلاحی کا تشکیکی رویہ، جس میں وہ سیاسی اور فکری قیادت کے باہمی تعلقات اور ان کے اثرات کو نمایاں کرتے ہیں، غالباً انہی تراجم شدہ علمی آراء کا عکس ہے۔

اسی ضمن میں معروف مسلم اسکالر محمد ہاشم کمالی بھی ہم آہنگ رائے رکھتے ہیں۔ وہ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں: "ابن قیم الجوزیہ (م1350ء) نے سیاسی فقہا کی تحریروں میں جمود اور سختی کی نشاندہی کی، جن کے نتیجے میں حکمران فرمان کے ذریعے حکومت کرنے لگے اور شریعت عملاً پسِ پشت ڈال دی گئی۔"([19])

عبید اللہ فہد فلاحی عہدِ کلاسیکی کے سیاسی افکار کے بارے میں یہ علمی نکتہ بھی اٹھاتے ہیں کہ اس دور میں سیاسی اور فکری قیادت کے اختلافات اور تعاملات نے سیاسی فکر کی آزادی کو محدود کر دیا اور اس کی جامعیت پر گہرے اثرات ڈالے۔ ان کے نزدیک، بیشتر سیاسی تصورات حکمرانوں کی نگرانی یا ان کی مرضی کے مطابق تشکیل پائے، جس کے باعث نظریاتی سطح پر اس فکر کا ارتقا آزادانہ اور ہمہ جہت نہ رہ سکا، اور اسلامی روح و مقاصد سے ہم آہنگی میں کمی واقع ہوئی۔

عبید اللہ فہد فلاحی کی آرا کی اصل حقیقت اُس تمدنی و تہذیبی پس منظر سے بھی سمجھی جا سکتی ہے جو کلاسیکی عہد کی عرب تہذیب کی ترقی اور مسلم فتوحات کے نتیجے میں ابھرتی ہوئی سیاسی و علمی اقدار سے عبارت تھا۔ عصرِ حاضر کے بعض محققین، جو مغربی نظریات سے متاثر ہیں، کلاسیکی عہد کی سیاسی فکر میں ایک جامع اور منظم متن کی تلاش میں ناکام رہ کر شک و تردید کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت اس عہد میں سیاسی فکر کا ایک منظم اور متحرک ذخیرہ موجود تھا۔ اسی زاویۂ نگاہ کی تائید محمد ہاشم کمالی بھی کرتے ہیں۔ وہ مصر کے سابق مفتی احمد حریری کے مشاہدے کو نقل کرتے

[18]- Ibid., 10 .
[19]- Kamali, Mohammad Hashim. *"Classical Islamic Political Thought and Its Contemporary Relevance."* Islam and Civilisational Renewal 9, no. 4 (October 16, 2018): 19–46. https://doi.org/10.52282/icr.v9i4.93 .

ہوئے لکھتے ہیں کہ اُمویوں سے خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے تک مسلم دنیا میں قائم سیاسی ڈھانچہ بحیثیت مجموعی اسلامی اصولوں کے مطابق نہ تھا، اور "ان دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔"([20]) یہی نوعیتِ استدلال کم و بیش الفاظ میں عبید اللہ فہد فلاحی بھی پیش کرتے ہیں۔

عبید اللہ فہد فلاحی کی اس علمی آراء کا اصل پس منظر مغربی مفکر لئو روز نتھال (Leo Rozenthal, 1908–1994) کے افکار ہیں جو انھوں نے اپنی کتاب "Political Thought in Medieval Islam" میں تحریر کرتے ہیں۔ لئو روز نتھال لکھتے ہیں: "اہلِ سنت کے چاروں فقہی مکاتب کے علما نے شریعت کی جو تعبیر پیش کی، وہ دراصل ایک عملی سمجھوتہ تھی، جس میں ایک طرف شریعت کا مثالی اور اصولی معیار تھا اور دوسری طرف زمینی اور سیاسی حقیقت۔ ان تعبیرات کا مقصد دو پہلوؤں پر مشتمل تھا: اول، اس بات کو یقینی بنانا کہ مسلم ریاست کا خدائی مقصد قائم و برقرار رہے؛ اور دوم، عباسی خلفا کی سیاسی بالادستی کو سہارا دینا تاکہ وہ اپنے اقتدار کو سنی مخالفین اور فرقہ وارانہ (خصوصاً شیعی) چیلنجز کے مقابلے میں مضبوط کر سکیں۔([21])

وہ مزید بیان کرتے ہیں کہ عباسی دور کے سیاسی رسائل کو ان ہی دستوری تنازعات کے تناظر میں سمجھنا ضروری ہے۔ یہ رسائل اگرچہ اپنے نظریاتی ڈھانچے کو قرآن، سنت اور حدیث کی بنیاد پر استوار کرتے ہیں اور ان کی صحت کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ اپنے عہد کی موجودہ سیاسی صورتِ حال کی عکاسی کرتے ہیں۔ اسی امر کی مثال ابو یوسف یعقوب حنفی (731-798) کی تصنیف "الخراج" کا مقدمہ ہے، جو انہوں نے خلیفہ ہارون الرشید کی فرمائش پر تحریر کیا۔ یہی صورتحال بعد کے دو ہم عصر مصنفین شافعی مکتبِ فکر کے ماوردی (991-1031) اور ابو منصور عبد القاہر بن طاہر البغدادی (وفات 1037) پر بھی صادق آتی ہے۔ اسی طرح ان کے شافعی ہم عصر امام غزالی (وفات 1111) اور بدرالدین ابن جماعہ (1241-1333) کی تحریریں بھی اسی تناظر میں سمجھی جا سکتی ہیں۔ اس روایت میں حنبلی مکتب کے جلیل القدر عالم ابن تیمیہ (وفات 1328) کا نام بھی شامل ہے، جنہوں نے اسی فکری و سیاسی ماحول میں اپنا نقطۂ نظر پیش کیا۔([22])

مسلم مفکرین بھی انھی مغربی مفکرین کی تالیفات پر تکیہ کرتے ہوئے، اپنی رائے قائم کرتے ہیں۔ عبید اللہ فہد فلاحی کے اس فکری مؤقف کا جواب کلاسیکی عہد کے تالیفی ورثے کی روشنی میں دیا جا سکتا ہے، خصوصاً ماوردی (دسویں صدی عیسوی) کی علمی خدمات اس کی نمایاں مثال ہیں۔ ایک محقق اپنی تصنیف "مسلمانوں کے سیاسی افکار" میں لکھتے ہیں: "ماوردی نے اگرچہ مختلف علوم پر تصانیف تحریر کی ہیں، لیکن سیاسیات میں اسے جو شہرت حاصل ہوئی وہ کسی اور میدان میں نہ مل سکی۔ بالخصوص اس کی غیر فانی کتاب 'الاحکام السلطانیہ' ہزار برس گزرنے کے باوجود بے مثال ہے۔ آج بھی یہ اسلامی دستور کے اہم ترین ماخذ میں شمار ہوتی ہے۔ یہ کتاب بیس ابواب پر مشتمل ہے جن میں سیاسیات کے ہر پہلو پر نہایت تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ خلافت، وزارت، ولایت، سپہ سالاری، پولیس، قضا، امامت الصلواۃ، خراج، ملکی تقسیم، اراضیات اور احتساب، غرضیکہ کوئی ایسا موضوع نہیں جس کا ماوردی نے تفصیلی جائزہ نہ لیا ہو اور جس کے متعلق زریں اصول متعین نہ کیے ہوں۔ الاحکام السلطانیہ کے علاوہ سیاسیات پر 'قوانین الوزارت'، 'تسهيل النظر في تحصيل الظفر' اور 'نصيحتر الملوک' بھی قابل قدر کتابیں ہیں۔"([23])

ماوردی کے اسلوبِ تحقیق کا مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ انہوں نے اپنے زمانے کے حالات کو ایک مثالی فریم ورک میں پیش کیا اور اپنی تحریروں میں اسلامی اصول و اقدار کو ایک مربوط سیاسی ڈھانچے کے تحت بیان کیا۔ اگرچہ وہ اپنے عہد کے سیاسی حالات سے مکمل طور پر ہم آہنگ نہ ہو سکے،

---

[20]- Ibid.
[21]- Erwin I. J. Rosenthal, *Political Thought in Medieval Islam: An Introductory Outline*, P. 26.
[22]- Ibid, P. 26.
[23] - Rashīd Aḥmad. *Musalmānōn ke Siyāsī Afkār* (Lahore: Idāra Thaqāfat Islāmīya, 1990), 73 .

تاہم ان کی تصانیف ایک مستحکم، منظم اور جامع سیاسی فکر کی عکاسی کرتی ہیں، جو عبید اللہ فہد فلاحی کے اعتراض کے جواب میں ایک مضبوط علمی دلیل فراہم کرتی ہیں۔([24])

عبید اللہ فہد اپنی تحقیق کی روشنی میں یہ موقف بھی اختیار کرتے ہیں کہ ابن قتیبہ دینوری (م889ء) سے لے کر شاہ ولی اللہ دہلوی (م1762ء) تک اکثر سیاسی مفکرین نے سیاسی مسائل کو زیادہ تر نصائح و مواعظ کی صورت میں بیان کیا ہے، نہ کہ کسی منظم اور تنقیدی تجزیے کے قالب میں۔ اگرچہ الفارابی (م950ء)، الماوردی (م1058ء)، الطرطوشی (م1126ء)، الغزالی (م1112ء)، القلقشندی، ابن خلدون (م1337ء) اور دیگر علما نے بھی ان موضوعات پر بحث کی، تاہم ان کی توجہ بھی بڑی حد تک ملوکانہ سیاست کے دائرے تک محدود رہی۔([25])

عبید اللہ فہد فلاحی کے یہ مشاہدات اپنی جگہ اہم ہیں، لیکن اس امر کو بھی مدنظر رکھنا ناگزیر ہے کہ کلاسیکی عہد کے سیاسی نصوص کو صرف عصری تمدنی یا عالمی حالات سے الگ تھلگ کر کے پڑھنا ایک محدود اور غیر جامع رویہ ہے۔ ابتدائی اسلامی فتوحات کے بعد جب مسلم حکومتیں مختلف اقوام اور ثقافتوں سے تعامل کر رہی تھیں اور اموی خلافت کے بعد مرکزی اقتدار بتدریج کمزور ہونے لگا، تو ہر علاقائی مفکر نے اپنے مخصوص معروضی حالات کے تناظر میں عوام کے لیے امن، مساوات اور خوش حالی کے امکانات پیدا کرنے کے لیے سیاسی فکر مرتب کی۔ اس دور کے فکری اور سیاسی تنوع کو نظر انداز کرتے ہوئے اگر تمام مفکرین یا ان کی تصانیف کو یکساں معیار کے تحت پرکھا جائے اور اس سے کوئی عمومی اعتراض اخذ کیا جائے تو یہ علمی دیانت اور تحقیق کے معیار سے مطابقت نہیں رکھتا۔ ہر عہد کی تحریروں کو اس کے اپنے تاریخی، سماجی اور سیاسی پس منظر میں سمجھنا ہی درحقیقت محققانہ رویہ ہے۔

اس نقطۂ نظر کی مزید توضیح فاضل محقق جابر علوانی کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: "۔۔۔۔۔ آج کا مطلوبہ قضیہ دراصل تجدید قضیہ ہے، اور یہ قضیہ اُمت مسلمہ کے تمدن کی نشاۃ ثانیہ کا قضیہ، انسانیت کے تحفظ اور رہنمائی کا قضیہ، تمدن کے احیاء اور فکری بیداری کا قضیہ، اور پستی میں گر چکی اُمت کو بلند کرنے کا قضیہ ہے۔ یہ کوئی نیا قضیہ نہیں، بلکہ وہی قضیہ ہے جو خلیفہ عمر بن عبد العزیز، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابو الحسن اشعری، امام غزالی، ابن حزم، ابن رشد، عز بن عبد السلام، ابو شامہ، شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ، ان کے شاگرد رہنما حافظ ابن قیم، شیخ محمد بن عبد الوہاب، امام شوکانی، شیخ ولی اللہ دہلوی، شیخ محمد عبدہ دہلوی، ان کے شاگرد شیخ جمال الدین افغانی، شیخ محمد بن عُدہ، ڈاکٹر محمد اقبال، شیخ حسن البناء، شہید سید قطب، مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی، ابن باد لیس، مالک بن نبی، نبہانی اور دیگر اسلامی و اصلاحی مفکرین نے ہمیشہ پیش کیا ہے۔

یہ وہ تمام عظیم مفکرین ہیں جنہوں نے فکرِ اسلامی کی قیادت میں بھرپور حصہ لیا، اور اسی لیے آج بھی اُمت کے بحران کو دور کرنے، اس کی فکری اور سماجی بیداری کے ضمن میں کسی بھی منصوبے یا اسکیم پر غور کرتے وقت ان کی فکری کاوشوں کو مدنظر رکھنا اور ان کی تحریروں سے استفادہ کرنا ناگزیر ہے۔ یہی تاریخی اور فکری تسلسل ہمیں اس امر کی راہ دکھاتا ہے کہ اسلامی تجدید کی بنیاد کسی نئی اختراع پر نہیں بلکہ ان عظیم مشاہیر کے تجربات، تدابیر اور نصوص پر اُستوار ہونی چاہیے۔([26])

اسی طرح یہ تاثر بھی درست نہیں کہ اسلام کے کلاسیکل عہد میں تو تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رہا لیکن بعد میں جمود طاری ہو گیا۔ اس حوالے سے معروف محقق علی عبد الرزاق لکھتے ہیں: "یہ ایک غلط اور عمومی تاثر ہے کہ مسلم مفکرین اور علما کی بڑی فکری خدمات صرف قدیم ادوار تک

[24]- Ibid.
[25]- Fahad, *Redefining Islamic Political Thought*, 34 .
[26]- Al-Alwani, Taha Jabir. *Fikr Islāmī Iṣlāḥ: Imkānāt aur Dushwāriyāt* (n.p.: n.p., n.d.), 43 .

محدود تھیں اور اس کے بعد وہ رک گئیں۔ مستند حقائق اس کے برخلاف ہیں اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے اہلِ فکر نے دورِ جدید اور معاصر زمانے تک، بالخصوص پچھلی دو صدیوں میں، فکری، اصلاحی اور روشن خیالی کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔"([27])

مندرجہ بالا بیانات سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ کلاسیکل عہد میں سیاسی فکر کی تالیفی بنیادیں نہ صرف موجود تھیں بلکہ ان کا اثر بعد کے مفکرین پر بھی مسلسل جاری رہا۔ عبید اللہ فہد فلاحی کی اس فکری نشاندہی کو اس پہلو سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، تاہم تاریخی اور فکری تسلسل کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے مشاہدات کو مکمل طور پر عمومی اور فیصلہ کن قرار دینا بھی درست نہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ بیشتر مصنفین کی توجہ ملوکانہ سیاست یا اپنے دور کے فوری حالات تک محدود رہی، لیکن اس حقیقت سے انکار بھی ممکن نہیں کہ ان کی تصانیف میں سیاسی فکر کی منظم بنیادیں اور تنقیدی تجزیے موجود تھے۔ یہی پہلو کلاسیکل عہد کی علمی گہرائی اور اس کی فکری جامعیت کو اجاگر کرتا ہے۔

عبید اللہ فہد فلاحی کے مطابق الماوردی کی کتاب "الاحکام السلطانیہ" کو عمومی طور پر اسلامی سیاسی فکر کا معیاری ماخذ قرار دیا جاتا ہے، لیکن حقیقت میں یہ رائے تنقید سے خالی نہیں۔ ان کے نزدیک اس تصنیف کا تعلق عباسی خلافت کے اُس مخصوص سیاسی پس منظر سے تھا، جس میں اس کا مقصد ایک طرف بویہی حکمرانوں کے اثر و رسوخ کے مقابلے میں خلیفہ کی حیثیت کو مستحکم کرنا اور دوسری طرف فاطمی خلافت کے دعوے کو غیر معتبر ثابت کرنا تھا۔

عبید اللہ فہد فلاحی کی طرف سے ماوردی کی سیاسی فکر پر کی گئی یہ نشاندہی دراصل کوئی نیا موقف نہیں، بلکہ متعدد سابقہ محققین بھی اس پہلو پر روشنی ڈال چکے ہیں۔ غربی مفکر لئو روز نتھال (Leo Rozenthal, 1908–1994) لکھتے ہیں کہ: "پروفیسر سر ہملٹن گب کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں امام ماوردی نے اپنی کتاب "الاحکام السلطانیہ " کے ذریعے دراصل عباسی خلافت کے اقتدارِ اعلیٰ کو ایک ایسے وقت میں علمی و نظری جواز فراہم کرنے کی کوشش کی جب بویہی امراء عملاً ریاست کے انتظامی و سیاسی ڈھانچے پر قابض ہو چکے تھے۔ یہ سیاق نہایت اہم تھا، کیونکہ ایک جانب محمود غزنوی نے اگرچہ ایران پر اپنی غیر متنازعہ سیاسی بالادستی قائم کر رکھی تھی، مگر اس کے باوجود اس نے بغداد میں عباسی خلافت کی روحانی و قانونی حیثیت کو اس اعلانِ وفاداری سے مزید استحکام بخشا کہ وہ عباسی خاندان کے تابع اور وفادار ہے۔ چنانچہ امام ماوردی کی یہ تصنیف اس ضرورت کا جواب تھی کہ خلافت اور امارت کے مابین اقتدار کی حدود و اختیارات کس طرح متعین کیے جائیں۔ ان کے نزدیک خلیفہ بنیادی طور پر دینی و روحانی امور کا ذمہ دار ہے، جبکہ امیر شہری اور انتظامی معاملات کا عملی طور پر مختار کار ہے، اور یہ سب ایک باہمی معاہدے کی بنیاد پر طے پاتا ہے۔"([28])

انھی خیالات کا اظہار ہاشم کمالی بھی کرتے ہیں: "ماوردی نے ایسے وقت میں لکھا جب بغداد میں خلیفہ کی اصل قوت صوبوں کے امراء اور فوجی حکمرانوں کے ہاتھ میں جا چکی تھی۔ خلیفہ کی حیثیت کو بچانے کی غرض سے ماوردی نے اسے دین اور شریعت کا محافظ قرار دینے پر زور دیا۔ الفرّاء اور الجوینی بھی اسی ماحول سے متاثر تھے اور قریب قریب یہی موقف رکھتے تھے۔ تاہم انہوں نے مشاورت (شوریٰ) پر کوئی خاص توجہ نہ دی اور نہ ہی مساوات اور بنیادی حقوق کے بارے میں کوئی باب یا فصل لکھی۔"([29])

---

[27]- Abd al-Razzāq, ʻAlī. *Al-Islām wa Uṣūl al-Ḥukm: Baḥth fī al-Khilāfa wa al-Ḥukūma fī al-Islām*, taqdīm ʻAmmār ʻAlī Ḥasan (Cairo: Dār al-Kitāb al-Miṣrī, 2012), 14 .

[28] - Rosenthal, *Political Thought in Medieval Islam*, 28 .

[29]- Kamali, *"Classical Islamic Political Thought and Its Contemporary Relevance,"* 23 .

ماوردی نے اپنی تالیف میں امام کے دس فرائض بیان کیے ہیں، جن میں آخری فرض یہ بتایا گیا ہے کہ: ''امورِ سلطنت پر کڑی نظر رکھنا، لوگوں کے حقوق کی نگہداشت کرنا، نیز امورِ سلطنت کے سوا کسی اور کام میں خواہ عبادت و زہد ہی ہو، اس طرح مشغول نہ ہونا کہ کاروبارِ خلافت میں خلل واقع ہو یا معاملاتِ حکومت دوسروں کے سپرد کرنا پڑے۔''([30])

تاریخی حقائق بھی اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ ماوردی ایسے دور میں زندہ تھے جب عباسی خلافت شدید کمزور ہو چکی تھی اور مختلف خود مختار خاندان اسلامی ریاست کے متعدد علاقوں میں اپنے اثر و تسلط قائم کر چکے تھے۔ حتیٰ کہ دارالخلافہ بغداد بھی ان کے اثرات سے محفوظ نہ رہا۔ یہ خاندان عملاً آزاد اور خود مختار تھے، جبکہ خلافت کا رسوخ زیادہ تر اسی حد تک باقی رہ گیا تھا کہ خطبوں میں خلیفہ کا نام لیا جاتا اور خلیفہ کی ایک ذمہ داری یہ سمجھی جاتی کہ وہ سلاطین کو اعزازات اور مراعات دے کر ریاست کے تحفظ کو کسی حد تک یقینی بنائے۔

ایسے سیاسی اور انتظامی حالات میں ماوردی کی تصنیف کو صرف قانونی یا فقہی رہنمائی کے طور پر نہیں، بلکہ عملی حکمت اور سیاسی ضرورت کے تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ مسلمانوں کے سیاسی افکار کے مصنف کے مطابق ماوردی نے اگرچہ ماضی کی مثالوں کو پیش نظر رکھا، لیکن اس نے خود مختار امارتوں کے وجود کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ چنانچہ اس نے ایسی امارات کے جواز کا فتویٰ دیا اور کہا کہ اگر خلافت کے اندر بزور قوت کوئی امارت قائم ہو جائے تو مسلمانوں پر اس کی اطاعت واجب ہے، بشرطیکہ وہ خلیفہ سے مکمل آزاد نہ ہو۔ ایسی امارت کو اس نے امارت الاستیلا کا نام دیا۔([31])

اس تجزیے کے نتیجے میں کہا جا سکتا ہے کہ عبید اللہ فہد فلاحی کا اعتراض اپنے تاریخی و سیاسی تناظر میں بجا ہے، لیکن ساتھ ہی ماوردی کی تصنیف کو صرف ایک تنقیدی عدسے سے دیکھنا بھی محدود نقطہ نظر ہے۔ درحقیقت یہ کتاب عباسی خلافت کے مخصوص حالات میں خلیفہ کی حیثیت کو مستحکم کرنے، داخلی اختلافات کو قابو میں رکھنے اور بیرونی دعووں کے خلاف حکومتی موقف واضح کرنے کے لیے ایک عملی رہنمائی کی حیثیت رکھتی تھی۔

محققین اور دانشوروں کے درمیان ایک دیرینہ سوال ہمیشہ زیر بحث رہا ہے کہ آیا اسلام کی بنیاد اور قرآن و سنت کی تعلیمات ریاست کے قیام اور سیاسی نظام کے نفاذ کو بطورِ مقصد پیش کرتی ہیں یا اصل غایت صرف وحی الٰہی کی تبلیغ اور انسانی ہدایت ہے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں متعدد مفکرین نے اس نکتے پر غور کیا کہ نبی اکرم ﷺ کا منصب بنیادی طور پر نبوت و رسالت تک محدود تھا اور آپؐ کی رہنمائی کا محور سیاسی حکومت کا قیام نہیں بلکہ ہدایتِ انسانی اور تزکیۂ نفس تھا۔ اسی تناظر میں یہ تصور ابھرتا ہے کہ قرآن و سنت میں ایسی کوئی صریح آیات یا احکام موجود نہیں جو ریاست کے قیام کو ایک دینی فرض یا نبوت کا بنیادی تقاضا قرار دیتے ہوں؛ بلکہ ریاستی نظام حالات کے تاریخی ارتقاء اور عملی ضروریات کی بنیاد پر وجود میں آیا۔ یہی نکتہ اسلامی سیاسی فکر کے مختلف مکاتبِ فکر اور نظریاتی مناقشات کا مستقل موضوع بن گیا۔

عبید اللہ فہد فلاحی کے مطابق ابن تیمیہؒ (728ھ / 1328ء) مسلمانوں کی تاریخ میں غالباً پہلے مفکر ہیں جنہوں نے یہ رائے ظاہر کی کہ اسلام نے ریاست کے قیام کے کوئی باقاعدہ اصول متعین نہیں کیے اور نہ ہی ریاست کا قیام نبوت کے مقاصد میں شامل ہے۔ ان کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کا منصب محض تبلیغ و ہدایت کی ذمہ داری تک محدود تھا، جبکہ ریاست کا قیام ایک اتفاقی اور تاریخی امر تھا جو حالات کے دباؤ سے ظہور پذیر ہوا، نہ کہ دینی مشن کا ناگزیر حصہ۔ ان کے سیاسی افکار زیادہ تر ان کی مشہور تصنیف منہاج السنۃ النبویہ میں سامنے آتے ہیں، جو دراصل ابن المطہر الحلی کے شیعی نظریۂ امامت کے رد میں لکھی گئی تھی۔([32]) تاہم یہ کتاب کسی مربوط اور منظم سیاسی فلسفے کی تشکیل نہیں کرتی بلکہ ایک مناظرانہ رد ہے، جس میں سیاسی نکات ضمنی طور پر ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابن تیمیہ کے سیاسی تصورات ایک مربوط نظریے کی شکل اختیار نہیں کر

30- Rashīd Aḥmad, *Musalmānōn ke Siyāsī Afkār,* 78 .
31- Ibid.
32- Fahad, *Redefining Islamic Political Thought,* 36 .

پاتے، بلکہ علمِ کلام کی پیچیدہ بحثوں، قرآنی وحدیثی دلائل، فقہی دقائق، فلسفیانہ اشارات اور صوفیانہ استنباطات کے ساتھ اس قدر گُتھم گُتھا ہیں کہ کوئی مستقل اور واضح سیاسی تھیوری سامنے نہیں آتی۔

عبید اللہ فہد فلاحی نے اس پہلو کو اجاگر کیا کہ مختلف مفکرین نے امامت یا خلافت کی متضاد تعاریف پیش کی ہیں۔ یہ تنوع و تضاد ایک مستحکم اور مربوط بنیاد فراہم کرنے کے بجائے اسلامی سیاسی فکر کو مزید پیچیدہ بنا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جدید مسلم ذہن آج بھی اس سوال پر اضطراب کا شکار ہے کہ خلافت یا امامت کی اصل حقیقت کیا ہے اور اس کی شرعی حیثیت کس درجے تک ہے۔

اگرچہ عبید اللہ فہد فلاحی کا یہ فکری نکتہ قابلِ توجہ ہے، لیکن اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ سیاسی و سماجی علوم وہ سادہ ریاضیاتی یا کیمیائی فارمولے نہیں جن میں ایک ہی اصول ہر زمانے اور مقام پر یکساں طور پر لاگو ہو جائے۔ یہ امر کہ کلاسیکی مفکرین امامت و خلافت پر متفقہ رائے قائم نہ کر سکے، دراصل تاریخی اور فکری تنوع کا لازمی نتیجہ تھا۔ شیعہ موقف میں امامت کو اللہ کی طرف سے لطف و عنایت کے طور پر دیکھا گیا، جہاں امام کو مومنین کی دینی و دنیاوی رہنمائی کے لیے ایک ناگزیر واسطہ سمجھا گیا۔ دوسری طرف اہلِ سنت کے بزرگ علما، جیسے علامہ عضد الدین الایجی، نے امامت کو فروعِ دین میں شمار کیا اور اسے زیادہ تر ایک اجتماعی و انتظامی ضرورت کے طور پر بیان کیا جس کا مقصد شریعت کے نفاذ اور امت کے اتحاد کو برقرار رکھنا تھا۔ معتزلہ اور خوارج نے اس بحث میں مزید جہات شامل کیں: کسی نے عقل کو بنیاد بنایا، تو کسی نے صرف شرعی احکام کے عملی نفاذ کو محور قرار دیا۔

اسی تناظر میں امام بغدادی، الماوردی، امام الجوینی، ابوالحسن اشعری، ابن تیمیہ، تفتازانی، ابن خلدون اور شاہ ولی اللہ دہلوی نے خلافت و امامت کے بارے میں مختلف زاویے پیش کیے۔ کچھ نے اسے دینی و دنیاوی قیادت کا جامع ادارہ قرار دیا، بعض نے محض ایک انتظامی و فروعی امر سمجھا، اور کچھ نے عقل یا اجتماعی ضرورت کو اس کی اساس بنایا۔ یہ اختلافات محض الفاظ یا تعریفوں کا کھیل نہیں تھے بلکہ ہر مفکر کے اپنے عہد کے سیاسی و سماجی تناظر سے براہِ راست جڑے ہوئے تھے۔

لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ امامت و خلافت کی تعریف میں اختلاف کی جڑ معروضی حالات اور بدلتے ہوئے سماجی و سیاسی تقاضے تھے۔ ہر مفکر نے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق نظریہ پیش کیا اور اسی وجہ سے ایک ہمہ گیر اور متفقہ تصور سامنے نہ آ سکا۔ اس زاویے سے دیکھا جائے تو عبید اللہ فہد فلاحی کی نشاندہی محض اختلافات کا بیان نہیں بلکہ اس بات پر زور دیتی ہے کہ کلاسیکی سیاسی فکر کو سمجھنے کے لیے ہر مفکر کے تاریخی و فکری سیاق کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

یوں، جدید مسلم ذہن کے اضطراب کی اصل وجہ یہی ہے کہ خلافت یا امامت کبھی بھی ایک مجرد اور قطعی اصولِ دین کے طور پر متعین نہیں ہوئی بلکہ بدلتے ہوئے حالات اور عملی تقاضوں کے مطابق اس کی تعبیر و تعریف ہمیشہ مختلف رہی۔ یہ علمی و فکری تنوع دراصل کلاسیکی اسلامی سیاسی فکر کی معروضی پیچیدگی اور فکری زرخیزی کی علامت ہے، نہ کہ اس کی کمزوری یا ناکامی۔ ([33])

عبید اللہ فہد فلاحی ایک اور علمی نکتے کی نشاندہی کرتے ہیں کہ فقہا کے درمیان خلیفہ کی شرائط پر کوئی اجماعی موقف نہیں ملتا۔ بعض نے علم، عدل، تدبیر اور عسکری صلاحیت کو لازمی قرار دیا، جبکہ نسبِ قریش کی شرط مختلف صورتوں میں بیان ہوئی؛ کسی نے اسے بنیادی قرار دیا، کسی نے ثانوی، اور بعض نے اسے بالکل رد کر دیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شرط ابدی دینی حکم نہیں بلکہ سیاسی حالات کی پیداوار تھی۔

[33]- Ibid, 41 .

اس علمی نکتے کی اصل حقیقت یہ ہے کہ عبید اللہ فہد فلاحی کے پیش رو کے طور پر اروِن روزینتھال (Erwin I. J. Rosenthal) کی کتاب ان کے پیش نظر تھی، اس لیے ان کے اعتراضات بھی زیادہ تر انہی کے استدلال سے ماخوذ ہیں۔ روزینتھال نے وضاحت کی ہے کہ ابن خلدون نے خلافت کے لیے سات شرائط بیان کیں لیکن نسبِ قریش پر خاص زور دیا۔ ان کے نزدیک اس شرط کی بنیاد محض روایت نہیں بلکہ اس عصبیت میں ہے جو قریش کو ابتدا میں حاصل تھی اور جس نے انہیں قیادت کا اہل بنایا۔ جیسے ہی یہ عصبیت کمزور پڑی، ان کی قیادت کا جواز بھی ختم ہو گیا۔ یہ ایک تاریخی اور سماجی قانون ہے، جسے ابن خلدون نے "قدرتی و فطری عمل" قرار دیا۔ اس کے برعکس امام ماوردی اور امام بغدادی نے خلافت کے جواز کو انتخابی اصول سے وابستہ کر کے اس بات پر زور دیا کہ خلیفہ کا تقرر اہلِ حل و عقد کے ذریعے ہونا چاہیے، نہ کہ محض نسب کی بنیاد پر۔ یوں یہ واضح ہو جاتا ہے کہ فقہا کے ہاں قریشی نسب کی شرط بذاتِ خود دائمی دینی فریضہ نہیں بلکہ ایک مخصوص تاریخی سیاق کی پیداوار تھی، جسے بدلتے ہوئے سیاسی حالات نے نئے معانی دے دیے۔([34])

عبید اللہ فہد فلاحی کلاسیکل عہد کے علمی ذخیرے کی ایک یہ کمزوری بھی بیان کرتے ہیں کہ بعض اہلِ علم، جیسے الفارابی (م 950ء)، ابن سینا (م 1037ء) اور ابن رشد (م 1198ء)، کی تصانیف زیادہ تر افلاطونی فلسفے کی بنیاد پر استوار تھیں، اور بعض اوقات ارسطو اور بعد کے شارحین کے نظریات نے ان میں تبدیلیاں پیدا کر دی تھیں۔ اسی تناظر میں یہ توقع رکھنا کہ ان مفکرین سے اسلامی سیاسی فکر کے مخصوص اور نمایاں پہلوؤں پر براہِ راست اور جامع رہنمائی حاصل ہو گی، حد درجہ غیر حقیقت پسندانہ معلوم ہوتی ہے۔([35])

اس مؤقف کی بہترین جانچ جابر علوانی کے بیان سے کی جاسکتی ہے، جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن خلدون کے علمی کام پر روشنی ڈالتے ہیں۔ علوانی لکھتے ہیں کہ: "بعض عصری علما یہ اعتراض کرتے ہیں کہ تاریخی اور فکری تناظر میں کمی رہی اور ان کی اصلاحی تحریکیں بعض پہلوؤں میں عملی مسائل کے فوری حل تک محدود رہیں۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بحران اور منہج کے مسائل پر منطق، فقہ اور شرعی سیاست کے دائرے میں گہرا کلام کیا اور ایک وسیع تہذیبی و فکری اصلاحی تحریک چلائی، جس نے اُمت کے کئی عملی مسائل کے حل کے لیے رہنما اصول فراہم کیے۔ ابن خلدون نے جب دیکھا کہ تمدن کا کارواں رک گیا ہے، تو انہوں نے اسلامی نقطہ نظر سے معاشرتی علوم میں اُصول سازی کی تحریک شروع کی، تاکہ فکری اور تہذیبی نظام کی مضبوط بنیاد قائم ہو اور مسلم آبادی اپنی تمدنی ذمہ داریوں کو مستحکم علمی بنیاد پر دوبارہ انجام دے سکے۔"([36])

یوں مجموعی طور پر دیکھا جائے تو ان تمام شخصیات کے علمی ذخائر اور عملی خدمات امت کے فکری ارتقا، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مسائل کے حل، اور تہذیبی و تمدنی نظام کی مضبوطی کے لیے رہنما اصول فراہم کرنے میں انتہائی مؤثر ثابت ہوئے، حالانکہ بعض ناقدین نے ان کی کاوشوں کو مخصوص حدود تک محدود تصور کیا۔ یہ اعتراضات جائز ہیں، مگر اصل حقائق سے یہ مؤقف کمزور ثابت ہوتا ہے، کیونکہ ہر ایک شخصیت نے اپنے دور اور مسائل کے مطابق فکری اور عملی رہنمائی کے ایسے اصول مرتب کیے جو آج بھی امت مسلمہ کے لیے رہنمائی کا کام دے سکتے ہیں۔

مذکورہ حقائق کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ اُمت کی طویل فکری تاریخ میں درحقیقت کوئی ایسا خلا یا ایسا بحران موجود نہیں تھا جو علمی و فکری سرمایہ کو یکسر منقطع کر دیتا۔ بلکہ یہ تسلسل پوری قوت کے ساتھ جاری رہا اور مختلف ادوار میں بے شمار مفکرین، مصلحین اور اہلِ علم کی کاوشوں نے اس کی بنیاد کو مزید مستحکم کیا۔ گزشتہ صفحات میں بعض نمایاں مصنفین اور ان کی تالیفات کا ذکر محض ایک جزو ہے اُس عظیم علمی ورثے کا جو صدیوں میں

34- Rosenthal, *Political Thought in Medieval Islam*, 31 .
35- Fahad, *Redefining Islamic Political Thought*, 35 .
36- Al-Alwani, *Fikr Islāmī Iṣlāḥ*, 38 .

امت کے دامن میں جمع ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ سیکڑوں کتب، رسائل اور فکری و علمی آثار آج بھی ہمارے سامنے موجود ہیں، جو اصول و قواعد، فقہ و سیاست، اخلاق و تربیت سے لے کر انسانی معاشرت کے تقریباً ہر پہلو پر روشنی ڈالتے اور رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔

البتہ یہ اعتراف بھی ضروری ہے کہ ان کا عملی اثر ہر دور میں یکساں نہ رہا۔ اکثر اوقات علمی و فکری کاوشیں اپنی جگہ قائم رہیں مگر سیاسی حالات اور اقتدار کے تقاضوں نے توجہ کا بڑا حصہ اپنی طرف مبذول کر لیا۔ اس طرح فکری و تہذیبی ارتقا میں سیاست کے غلبے اور سماجی سطح پر عدم توجہی نے بعض اوقات اثر پذیری کو محدود کر دیا۔ تاہم اس کے باوجود علمی سرمایہ اپنی اصل قوت اور معنویت کے ساتھ محفوظ رہا اور آئندہ نسلوں کے لیے رہنمائی کا ذریعہ بنتا رہا۔

اسی تناظر میں ڈاکٹر طہ جابر علوانی امت کے علما و مفکرین کی مساعی کا جائزہ لیتے ہوئے یہ نکتہ اجاگر کرتے ہیں کہ اصلاح و تجدید کی کوششیں مسلسل جاری رہیں، اگرچہ ان کے میدانِ عمل اور مقاصد مختلف تھے، لیکن ایک بات پر سب متفق دکھائی دیتے ہیں کہ امت کو اصلاح اور تجدید کی فوری ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۷۰۳-۱۷۶۲ء)، شیخ محمد بن عبد الوہاب (۱۷۰۳-۱۷۷۳ء)، امام شوکانی (۱۷۶۰-۱۸۳۴ء)، محمد بن علی السنوسی (۱۷۸۷-۱۸۵۹ء)، احمد بن علی آلوسی (۱۸۱۵-۱۸۵۴ء)، جمال الدین افغانی (۱۸۳۸-۱۸۹۷ء)، محمد بن عبد الوہاب المہدی (۱۸۴۷-۱۹۰۶ء)، عبدالرحمن کواکبی (۱۸۵۵-۱۹۰۲ء)، ابن بادلیس (۱۸۷۵–۱۹۴۵ء)، علامہ طباطبائی (۱۸۹۲–۱۹۸۱ء)، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (۱۹۰۳-۱۹۷۹ء)، مالک بن نبی (۱۹۰۵-۱۹۷۳ء)، شہید حسن البنا (۱۹۰۶-۱۹۴۹ء)، شہید سید قطب (۱۹۰۶-۱۹۶۶ء)، اور تقی الدین نبہانی (۱۹۰۹-۱۹۷۷ء) جیسے اہلِ فکر و اصلاح کے نام بطورِ خاص ذکر کے مستحق ہیں۔

یہ تمام شخصیات اپنی اپنی جگہ پر امت کے فکری و تہذیبی مسائل کے کسی نہ کسی پہلو پر روشنی ڈالتی اور اس کی اصلاح کے لیے عملی راستے تجویز کرتی رہیں۔ ان میں سے کچھ کی تحریکیں وسیع پیمانے پر نمایاں ہوئیں، کچھ کا اثر محدود رہا، مگر ان سب کی کامیابی اور اثر پذیری کا انحصار معاشرتی حالات، مصلح کی شخصیت اور تاریخی پس منظر پر تھا۔ یوں یہ کہنا بجا ہے کہ علمی سرمایہ اور اصلاحی تحریکیں امت کے فکری تسلسل کا مظہر ہیں اور ان ہی کی روشنی میں آگے بڑھنے کی راہیں متعین ہوتی ہیں۔([37])

عبید اللہ فہد فلاحی ایک اور علمانہ نکتہ اٹھاتے ہیں کہ اسلامی سیاسی فکر میں ایک بنیادی پیچیدگی یہ ہے کہ برصغیر کے ممتاز اہلِ علم جیسے مولانا مودودی، مولانا اسحاق سندیلوی اور پروفیسر یاسین مظہر صدیقی سبھی خلافتِ راشدہ کو قرآن و سنت کی اصل نمائندگی مانتے ہیں، مگر اس کے تسلسل اور ماہیت کے بارے میں ان میں واضح اختلاف پایا جاتا ہے۔([38])

- ایک گروہ خلافت کے انحراف کو سیدنا عثمانؓ کے اواخر دور سے جوڑتا ہے۔
- دوسرا گروہ تیس سالہ خلافت کو یکسر اسلامی اصولوں پر قائم قرار دیتا ہے۔
- تیسرا گروہ خلافت کو اموی موروثی حکومت تک تسلسل کے ساتھ برحق سمجھتا ہے۔

فہد فلاحی کے مطابق یہ گروہ بندیاں اور متضاد آراء اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ کلاسیکی سیاسی فکر کو محض تقلیدی انداز میں قبول کر لینا دراصل فکری تذبذب ہے اور اس کی بنیادوں کو تنقیدی نظر سے دیکھنا ضروری ہے۔

---

[37]- Ibid.
[38]- Fahad, *Redefining Islamic Political Thought*, 73 .

اولاً، مختلف اہلِ علم کا خلافت کے تسلسل یا اس کے انحراف پر متفق نہ ہونا کسی بحران کی نہیں بلکہ اجتہادی تنوع کی علامت ہے۔ اسلامی فکر کی اصل قوت یہی ہے کہ وہ مختلف حالات اور تجربات میں نصوص کے اصولوں کو نئے زاویوں سے برتنے کی گنجائش دیتی ہے۔ اگر ایک گروہ نے سیدنا عثمانؓ کے اواخر عہد میں سیاسی کمزوری دیکھی اور دوسرے نے خلافت کے مکمل دور کو شرعی قرار دیا، تو دونوں آراء کا سرچشمہ وہی قرآن و سنت ہیں۔ یہ تنوع فکری بالیدگی ہے، تضاد نہیں۔

ثانیاً، یہ اختلافات زیادہ تر تاریخی تعبیرات سے جڑے ہیں نہ کہ دینی اصولوں سے۔ قرآن میں شوریٰ، عدل اور اطاعتِ اولی الامر کے اصول مسلم ہیں؛ بحث اس پر ہے کہ ان اصولوں کا نفاذ مختلف عہد میں کس صورت اختیار کر گیا۔ اس اختلاف کو "فکری تذبذب" کہنا علمی روایت کے مزاج کو سمجھے بغیر دیا گیا فیصلہ ہے۔

ثالثاً، اسلامی علمی روایت میں تنقید اور تجدید کی روایت ہمیشہ موجود رہی ہے۔ امام ماوردی نے الأحکام السلطانیہ میں اپنے عہد کے مسائل پر اجتہادی بحث کی، ابن خلدون نے المقدمہ میں خلافت کے تاریخی ارتقا کا تجزیہ کیا، اور ابن تیمیہ نے السیاسۃ الشرعیۃ میں ملوکیت کے پہلوؤں پر ناقدانہ گفتگو کی۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کلاسیکی اہلِ علم نے اپنی پیش رو آراء کو کبھی اندھی تقلید کے طور پر نہیں اپنایا، بلکہ مسلسل تنقید اور بازپرس کے ساتھ آگے بڑھایا۔ لہٰذا فہد فلاحی کا یہ نتیجہ کہ ان اختلافات کو قبول کرنا "فکری تذبذب" ہے، حقیقت میں تنوع کو منفی معنی دینے کے مترادف ہے۔ اسلامی سیاسی فکر کی اصل قوت اس کا اجتہادی تسلسل اور تنقیدی مزاج ہے، جو ہر دور میں نئی جہات پیدا کرتا رہا ہے۔ اختلافات اس کے زوال کی نہیں بلکہ اس کی زندگی اور ارتقا کی علامت ہیں۔

اسلامی سیاسی فکر میں تنوع اصولوں کی کمزوری نہیں بلکہ تاریخی حالات اور علمی بصیرت کا مظہر ہے۔ خلافتِ راشدہ اب بھی معیارِ عمل ہے، اور قرآن و سنت پر مبنی اصول اپنی قوت کے ساتھ قائم ہیں۔ اختلافات کو تضاد نہیں بلکہ اجتہادی تنوع سمجھنا چاہیے۔

امتِ مسلمہ پر فرض ہے کہ اپنی بقا کے لیے علمی ورثے کو ازسرِ نو منظم کرے، اس کے اصولوں پر غور کرے، اور انہیں عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق معاشرتی و سیاسی زندگی میں نافذ کرے۔ موجودہ دور، جو تیزی سے "عالمی گاؤں" میں تبدیل ہو رہا ہے، امت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے علمی سرمائے کو ماضی کی یادگار نہیں بلکہ عملی رہنمائی کا ذریعہ بنائے۔

سب سے بڑی رکاوٹ روایت پرستی اور جامد تقلید ہے، جس نے قدیم سرمایہ کو غیر نقد تقدس کا درجہ دے کر فکری ارتقا اور اجتہاد کی راہیں محدود کر دی ہیں۔ نتیجتاً قرآن و سنت پر غور و تدبر تاریخی اور لغوی بحثوں تک محدود ہو گیا، اور حقیقی اجتہاد تقریباً منقطع ہو گیا۔ اس جمود کے باوجود تاریخِ اسلام میں ایسے مجتہد علما پیدا ہوتے رہے جنہوں نے اجتہادی روح کو زندہ رکھا۔ ان کے فکر میں معروضیت، عصری فہم، اور امت کے مسائل کا شعور نمایاں تھا۔ انہی میں ایک نمایاں نام امام ابن تیمیہ کا ہے، جنہوں نے اپنے اجتہادی منہج سے امت کو فکری و عملی رہنمائی فراہم کی۔([39])

ڈاکٹر جابر علوانی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ موجودہ حالات میں فقہ اور اس کے جدید نتائج و ثمرات کو سمجھے بغیر، اور علم کے مختلف شعبوں پر توجہ دیے بغیر، قدیم مآخذ کے دائرے میں تیزی سے تلفیق کا عمل ہو رہا ہے۔ یہ تلفیقی نقطۂ نظر دراصل تقلید اور روایت پرستی کی ایک شکل ہے، جو اس رجحان سے پیدا ہوتا ہے کہ قدیم علمی سرمایہ کو بغیر تنقید کے مقدس سمجھا جائے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ علمی سرمایہ انسانی اجتہادات پر مشتمل ہے، اور انسانی اجتہادات اپنی اصل میں خطا و صواب دونوں امکانات رکھتے ہیں۔ ماضی کے فقہا اور مجتہدین نے اپنے اجتہادات کو اپنے زمانے کے حالات اور تقاضوں کے مطابق اسلامی اقدار کی روشنی میں پیش کیا، تاکہ امت کو اس وقت کے مسائل کے مطابق

[39]- Fahad, ‘Ubayd Allāh, Dr. *Fikr-e-Islāmī kā Buḥrān* (Lahore: Idāra Ma‘ārif Islāmī, 2001), 90

رہنمائی فراہم ہو۔ مگر رفتہ رفتہ یہ تصور راسخ ہوتا گیا کہ یہ علمی سرمایہ اپنی جملہ صورتوں اور نتائج میں معصوم اور ہر لغزش سے پاک ہے، اور یہ کہ موجودہ مسائل کے حل کے لیے بھی وہی جوں کا توں کافی ہے، چاہے وہ منہج اور طریقہ کار کے اعتبار سے ہو یا نتائج و ثمرات کے اعتبار سے۔([40])

خلاصہ بحث

امتِ مسلمہ کی فکری بقا ماضی کے ورثے کو محفوظ رکھنے میں نہیں، بلکہ تنقیدی شعور، اجتہادی بصیرت اور عصری تناظر میں برتنے میں ہے۔ زندہ روایت اپنائیں تو یہ فکری انحطاط اور تہذیبی ابتری سے نجات کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ عبید اللہ فہد فلاحی فرماتے ہیں کہ اسلامی نظامِ فکر رہنمائی برقرار نہیں رکھ سکتا جب تک اجتہادی منہج، تنقیدی بصیرت اور زمانہ فہمی زندہ نہ ہو۔ علوم کا تحفظ نصوص میں نہیں، بلکہ ان کی معنویت کے احیا میں ہے—جو عدل، شوریٰ اور فلاح کے اصولوں کو متجددانہ انداز میں برتنے کا حوصلہ دے۔ جامد روایت جمود کا سبب بنتی ہے، جبکہ اجتہاد سے بروئے کار آنے والی روایت ماضی، حال اور مستقبل کا زندہ ربط قائم کرتی ہے، جو تہذیب کو نئی معنویت، خود اعتمادی اور استقلال عطا کرتی ہے۔ چیلنج ماضی سے انقطاع نہیں، بلکہ ورثے کو مؤثر شعور سے از سرِ نو برتنا ہے۔ فلاحی کا تنقیدی اجتہادی منہج اختیار کریں تو اسلامی روایت فعال، رہنما اور تخلیقی بن کر امت کو جمود سے نکال کر احیاء کی نئی صبح عطا کر دے گی۔

تجاویز و سفارشات

* عبد الحمید الکاتب رسالۃ في نصیحۃ ولي العھد ولی عہد کو ابتدائی عمر سے اخلاقی و سیاسی تربیت دیں—تاکہ وہ حکمرانی کے آداب اور ذمہ داریوں سے واقف ہو۔
* قاضی ابو یوسف کتاب الخراج ٹیکس اور مالیات کا نظام عدل پر مبنی ہو—ہارون الرشید کی فرمائش پر لکھی گئی یہ کتاب ریاستی آمدنی کو عوامی فلاح سے جوڑتی ہے۔
* ابن قتیبہ الإمامۃ والسیاسۃ امامت اور سیاست کو الگ الگ مگر مربوط اصولوں سے چلایا جائے—حکمرانی میں دینی اور دنیوی توازن قائم رکھیں۔
* الخراسانی تاریخ بغداد علما سے مشاورت اور رعایا پر شفقت کو اقتدار کا بنیادی اصول بنائیں—عدل اور قانون کی پاسداری سے سلطنت مستحکم ہوتی ہے۔
* مصنفِ سیاسۃ الأمراء سیاسۃ الأمراء وولادۃ الجنود بادشاہ، وزیر اور شہری کے فرائض کو مکالماتی انداز میں واضح کریں—افلاطونی حکمت کو اسلامی تناظر میں ڈھال کر عملی سیاست سکھائیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Bibliography/کتابیات

* Al-Alwani, Taha Jabir. "*Political Science in the Legacy of Classical Islamic Literature*." The American Journal of Islamic Social Sciences 7, no. 1 (1990): 9–26.
* ʻAbd al-Razzāq, ʻ*Alī. Al-Islām wa Uṣūl al-Ḥukm: Baḥth fī al-Khilāfa wa al-Ḥukūma fī al-Islām*. Cairo: Dār al-Kitāb al-Miṣrī, 2012.
* ʻĀrif, Naṣr Muḥammad. *Fī Maṣādir al-Turāth al-Siyāsī al-Islāmī: Dirāsa fī Ishkāliyat al-Taʻmīm qabl al-Istiqrā' wa al-Taʼṣīl*. Herndon, VA: Al-Maʻhad al-ʻĀlamī lil-Fikr al-Islāmī, 1994.

[40]- Al-Alwani, *Fikr Islāmī Iṣlāḥ,* 114.

* Fahad, ‘Ubayd Allāh. *Fikr-e-Islāmī kā* Buḥrān. Lahore: Idāra Ma‘ārif Islāmī, 2001.
* Fahad, Obaidullah. *Redefining Islamic Political Thought: A Critique in Methodological Perspective*. N.p.: n.p., n.d.
* Ibn Māja, Muḥammad ibn Yazīd. *Sunan Ibn Māja*. N.p.: n.p., n.d.
* Kamali, Mohammad Hashim. “*Classical Islamic Political Thought and Its Contemporary Relevance*.” Islam and Civilisational Renewal 9, no. 4 (October 16, 2018): 19–46. https://doi.org/10.52282/icr.v9i4.93.
* Rashīd Aḥmad. *Musalmānōn ke Siyāsī Afkār*. Lahore: Idāra Thaqāfat Islāmīya, 1990.
* Rosenthal, Erwin I. J. *Political Thought in Medieval Islam: An Introductory Outline*. Cambridge: Cambridge University Press, 1962.
* Al-Alwani, Taha Jabir. *Fikr Islāmī Iṣlāḥ: Imkānāt aur Dushwāriyāt*. N.p.: n.p., n.d.